ردّ بدعت

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة ، وإن عبدا حبشيا ، فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا ، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين ، تمسكوا بها ، وعضوا عليها بالنواجذ ، وإياكم ومحدثات الأمور ، فإن كل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة.))(سنن أبي داود:٤٦٠٧ ، سنن ترمذي:٢٦٧٦)

''میں تمھیں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور (امراء وسلاطین کی) سمع وطاعت کو لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہوں ۔تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، عنقریب بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، لہٰذا تم پر میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع لازم ہے، اسے مضبوطی سے تھامے رہو اور اپنے دانتوں سے پکڑے رہو اور (دین کے اندر) نئی باتوں سے پرہیز کرو کیوں کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

عافیت شریعت ہی میں ہے

عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ امراء و رؤساء عملیات کے معتقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ پہلی بات یہ ہے کہ میں امیر نہیں ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ علم سے فقیر بھی نہیں ہوں کہ اہل شرک و بدعت کے دامِ تزویر میں گرفتار ہو جاؤں۔ میں تو اپنے اعتقاد کے مطابق کسی شخص کا معتقد نہیں ہوں۔ خصوصاً ان فقراء و مشائخ کا تو بالکل نہیں جو جہالت کے اس دور میں دکان داری کرتے ہیں۔ مجھے ان کی حرکات بے برکات پر تعجب ہے کہ یہ اپنی جہالت، خباثت اور شرک و بدعت میں کس موحد کو پھانسنا چاہتے ہیں۔ ان احمقوں نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ میں تو مشہور اہل حدیث ہوں اور ''تقویۃ الایمان'' اور رسائل توحید کا پابند ہوں۔ میرے سامنے کسی رمال، جفار، منجم اور عزیمت خواں کی اتنی قدر بھی نہیں جتنی انسان کی نظر میں جانوروں کی ہوتی ہے کیوں کہ موحد تو ہر بلا و رَخا اور مصیبت و عافیت میں اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ جان جائے، مال جائے، آبرو جائے مگر ایمان نہ جائے۔ کچھ ہو مگر اللہ و رسول ﷺ کے طریقے سے انحراف نہ ہو۔

من نخواہم کرد ترکِ لعل یار و جامِ مے ! زاہداں معذور داریدم کہ ایں ہم مذہب ست

اور عربی شاعر نے کہا۔

مـذاهـب شتـى للمحبين في الهوى ولـي مـذهـب وحد أعيش به وحدٰى

ہاں، وہ لوگ جو عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہیں، وہ جلد ان کے پھندے میں حصولِ مدعا اور دفع بلا کی اُمید سے پھنس جاتے ہیں۔ یا عوام کالانعام جنھیں دین و ایمان سے کچھ حصہ نہیں ملا، وہ اپنا مال ان حرام خوروں اور دغا بازوں کو کھلاتے اور دیتے ہیں۔ اور جو شخص پاک دین والا صاحب توحید ہے، وہ اپنے نشۂ توحید اور مستیِ حسنِ عقائد میں ان اکالین بطالین کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

سرم بدنیا و عقبٰی فرو نمی آید تبارک اللہ ازیں فتنہ ہا کہ درسرِ ماست
در اندرونِ من خستہ دل ندانم کیست کہ من خموشم واو در فغان و در غوغا ست!
ازاں بدیر مغانم عزیز میدارند کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ دردلِ ما ست

اللہ تعالیٰ مجھے اِسی توحید و سنت پر زندہ رکھے اور مارے اور انواعِ شرک و بدعت سے بچائے کیوں کہ میں توحید کے طفیل سارے جہاں کے علوم معارف سے بے نیاز ہوں۔

زبادشاہ و گدا فار غم بحمد اللہ گدائے خاک درِ دوست پادشاہِ من ست!
مگر بہ تیغِ اجل خیمہ بر کنم شاید رمیدن از درِ دولت نہ رسم و راہِ من ست

اور اگر بالفرض حصولِ مدعا اور دفع کرب و بلا کے لیے عزائم واَدعیہ کا بجالانا ضروری ہے تو آیات کتاب اللہ اور اذکار و ادعیہ ماثورہ ہی کافی ہیں۔ وہ کون سی دینی و دنیاوی آفت و مصیبت ہے جس کا علمی علاج شرع شریف میں نہیں ہے اور وہ کون سی حاجت، مطلب اور مدعا ہے جس کے لیے ہمیں آنحضرت ﷺ نے کوئی ذکر یا دعا تعلیم نہیں فرمائی۔

باغِ مراچہ حاجت سرو و صنوبر ست شمشادِ خانہ پرورِ ما ازکہ کمتر ست

(نواب محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

8 ربیع الأول 1435ھ جمعة المبارک 10 تا 16 جنوری 2014ء

الاعتصام

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 02 جلد 66

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال
		-/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

ہم آہنگی

حافظ احمد شاکر

اس بات کا ان صفحات پر پہلے بھی کئی مرتبہ اظہار کیا جا چکا ہے کہ تقریباً ربع صدی سے ہمارے حکم رانوں کا حال...... نہ اپنی خوشی آئے نہ اپنی خوشی چلے...... والا معاملہ ہے۔ عالمی سیاست کے میدان میں سیاست ہمیشہ سے دائیں اور بائیں بازو میں تقسیم ہوتی چلی آئی ہے بعض خوش فہم اور خوش خیال مسلم لیگ (ن) کو دائیں بازو کی طرف دھکیلتے ہوئے ان سے مذہب کی حمایت یا مذہب کے لیے نرم گوشے کی توقع رکھتے تھے اور بعض اب بھی رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میاں صاحبان کی خاندانی، گھریلو یا ذاتی زندگی میں مذہب کا عنصر اگر غالب نہ بھی ہو تو اس میں مذہب کا عمل دخل یقیناً ہوگا لیکن حجلۂ اقتدار میں داخل ہوتے وقت تو وہی کہاوت کہ ''جسے پیا چاہے وہی سہاگن ہو'' اور سہاگن ہونے کے لیے بنیاد پرستی سے برأت کا اظہار بھی کرنا پڑے تو خدمتِ عوام کے نام پر اقتدار کے حریص سیاستدان کبھی اس سے گریز نہیں کرتے اور ملک کے وسیع تر مفاد کا تو عنوان ہی ایسی ''گدڑ سنگھی'' ہے جس کے تحت کوئی بھی سیاستدان اور حکم ران جو چاہے کر سکتا ہے۔ باقی رہی سیاست یا سیاستدانوں کی قلابازیاں، باخبر حضرات کے سامنے اس کی بہت سی مثالیں یقیناً موجود ہوں گی۔

بساطِ سیاست پر چھائے عالمی کھلاڑیوں کو تو تقریباً جنگ عظیم کے بعد یعنی ہیروشیما پر ایٹمی حملے کے بعد (کہ اب ان کو اپنی باری نظر آنے لگی تھی) ہی ادراک ہو گیا تھا کہ دنیا میں اب اسلحہ کی بجائے معیشت کی جنگ کا چلن ہوگا گذشتہ صدی کے نصف آخر میں یہاں بھی یہ راگنی شروع کر دی گئی تھی، اسی لیے اُنھوں نے دنیا بھر میں سودی دھندے کو مختلف عنوانات، بینکاری، انشورنس، لیزنگ کے نام پر عوام میں اس کو خوب رائج کیا، اور ساتھ ہی نوزائدہ، پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک کو صنعت، زراعت اور تجارت کی شاہراہ پر ڈالنے کی بجائے ان کو سودی قرض لینے کی طرف راغب بلکہ بعض حالات میں مجبور کیا جاتا رہا۔ چنانچہ دیگر نوزائیدہ اور ترقی پذیر ممالک کی طرح پاکستان کو بھی اس جال میں پھانس لیا گیا خصوصاً جب مرحوم ایوب خان نے صنعت کی طرف متوجہ ہو کر ملوں فیکٹریوں اور کارخانوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ شومیِ قسمت کہ اُنھی دنوں اُنھوں نے'' جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی'' Friends Node Master...... نامی کتاب بھی لکھ ڈالی تو ''آقا'' نے ناراض ہو کر ایک تو ایوب خاں مرحوم کو چلتا کیا اور دوسرا عالمی ان داتا نے تیز رفتاری کے ساتھ بابوؤں کے گٹھ جوڑ سے ترقی کے نام پر وطنِ عزیز کو ایسے سودی قرضوں کی کھائی میں ڈال دیا کہ اب اس سے نکلنا مشکل تر محسوس ہو رہا ہے (بابو تو دن دُگنی اور رات چگنی ترقی کرتے رہے کہ قرضوں کی ضرورت کے خاکے اُنھوں نے ہی تیار کرنے ہوتے تھے) لیکن ملکی خزانہ اور معیشت، سود کے گھن چکر میں بُری طرح پھنس گئی اور سود شیطان کی آنت کی طرح بڑھتا ہی چلا گیا بلکہ اب تک بڑھ رہا ہے۔ نیتوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں شرعی عدالتوں کی تشکیل کی گئی تھی (بوریا نشینوں کو سرخ راہداریوں سے آشنا کر دیا گیا تھا یہ تھی تو بوریا نشینوں کی عزت افزائی لیکن ''سردی کے ساتھ کوٹ بھی آ جاتے ہیں'' کے مطابق دین و ملک کا فائدہ تو کس قدر ہوا لیکن بوریا نشینوں کی عادات، اطوار اور خواہشات لامتناہی ہو گئیں۔) ان عدالتوں کو مقدمات میں شریعت کو غالب کرنے اور رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انھی دنوں حرمتِ سود کی ایک درخواست عدالت عالیہ میں دائر کی گئی جس کا فیصلہ سود کی حرمت کا تھا، حکومت نے اس کے خلاف ایک رٹ شریعت کورٹ میں دائر کر دی جس نے عدالت عالیہ کے فیصلے ہی کی تائید کی۔ بعد میں حکومت نے اپیل سپریم کورٹ میں کر دی جو کئی سال اٹکی اور لٹکی رہی اب جا کر سپریم کورٹ نے حرمت سود کے فیصلے کو تو برقرار رکھا لیکن معاملات

حکومت جوں کے توں جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

جناب میاں محمد نواز شریف صاحب جب پہلی دفعہ وزیر اعظم بنائے گئے تو اُنھوں نے بینکوں سے قرض لے کر بے روزگاروں کے لیے پیلی ٹیکسی ......YellowCap...... سکیم متعارف کرائی جس سے لوگوں کو روزگار بھی ملا اکثر لوگوں نے تو ناتجربہ کاری کی وجہ سے سود سمیت اپنے بینکوں کی قسطیں ادا کر دیں اور تجربہ کار اپنا تجربہ کام میں لے آئے اسی عرصے میں بینکوں نے کریڈٹ کارڈ (یعنی قرضے کے کارڈ) بلاسود کے عنوان پر متعارف کرا دیے، جن سے ہر شخص کو بینکوں سے اس کے معاملات کی بنیاد پر مالی سہولت کے عنوان سے بلاسود قرضوں کا جھانسا دیا گیا جس کی تفصیلات میں جائیں تو سود ہی برآمد ہوتا ہے۔ ایک تو اس اقدام سے ہر قرض لینے والے کو سود کے دائرے میں لے آئے دوسرا اس کا رڈ کی آڑ میں اُدھار کی عادت میں مبتلا کر دیا جس سے ہر گھر کا بجٹ غیر متوازن ہو گیا۔ پیلی ٹیکسیوں کے تجربے کے بعد بینکوں نے بھی سودی قرضوں سے کاریں اقساط پر دے کر شاہراہوں کو گاڑیوں سے بھر دیا جس کی انشورنس اور دیگر سرکاری واجبات خاصے ہوتے تھے یہاں بھی بینکاری اور انشورنس اُمور کے ماہروں نے خوب فائدے اُٹھائے، پھر بینکوں نے (Lizing) اقساط پر مکان بھی دینے شروع کر دیے گویا کہ گنجائش رکھنے والا خیر خواہی یا معیارِ زندگی کے بہتری کے ہر خواہش مند دھوکہ کھا کر سود کے جال میں آ گیا، سمال بزنس کارپوریشن اور مختلف ناموں پر اس جیسے بے شمار مالیاتی ادارے وجود میں آ گئے جن کا آخر سود تھا۔ ضیاء الحق مرحوم کی اسلامی نظام کی خواہش؟ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لیکن اُنھوں نے بھی میٹرک پاس بے روزگار نوجوانوں کے لیے صرف 3 فیصد (لفظ سود کے بوجھ کو ہلکا کر کے) مارک اَپ پر قرضوں کا اجراء بھی کیا تھا لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد یمحق اللّٰہ الربا ویربی الصدقات کو غلط کہنے کی جرأت کیسے کی جا سکتی ہے اس لیے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ وہ بھی سود ہی تھا اب کچھ عرصہ سے بینکاری کی اسلامائزیشن کی جو جرأت باغیانہ کی جا رہی ہے اس کے بعد زلزلوں، سیلابوں اور باہمی قتل وغارت......دہشت گردی......جیسی آزمائشوں اور آفاتِ سماوی کا وطن عزیز جس طرح شکار ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

اب اس دورِ اقتدار میں جناب میاں نواز شریف نے بینکوں سے ۱۵ فیصد سود پر سرمایہ لے کر نوجوانوں کے لیے دوبارہ سودی قرضوں کا اعلان کر دیا ہے۔ اس میں سے ۷ فیصد سود حکومت ادا کرے گی اور ۸ فیصد قرضہ لینے والا۔ جبکہ حصولِ قرض کی شرائط ایسی ہیں نہ نو مَن تیل ہو نہ رادھا ناچے، ان شرائط کو وہی پورا کر سکے گا جو سرمایہ دارانہ نظام کی بڑھوتی کر سکتا ہو افسوس ناک بات یہ ہے سود کی ابتلاؤں سے ہم نے کچھ سبق نہیں سیکھا؟ کیا سیاسی جماعتوں کے مذہبی ونگوں نے حکم رانوں اور سیاستدانوں کو نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے مطلع نہیں کیا جس میں سود کے کم از کم گناہ کا آپ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے؟ سودی قرضوں سے معیشت کی بہتری کا یہودی کلیہ ہم تسلیم کریں یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے'' پر ایمان لائیں؟ یہ فیصلہ حکم رانوں نے کرنا ہے جس چیز کے مٹ جانے کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وہ کیسے بڑھ اور پنپ سکتی ہے!

اربابِ حکومت سے ہم گزارش بلکہ التجا کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے ایمان لے آئیں کہ سودی رقوم سے نام نہاد ترقی کبھی نہیں ہو سکتی، حکومتی وزیروں، سفیروں، حکومتی اہلکاروں اور ترقیاتی اخراجات محدود تر کر کے بچت اور کفایت کی ریت ڈالیں صنعت کو مستحکم کریں، زراعت کو سہولتیں دیں، انکم ٹیکس کی شرح یکساں اور تجارت کی حوصلہ افزائی کریں اور ساتھ ہی سودی قرضوں سے اعلان براءت کر دیں۔ ان شاء اللہ وطن عزیز کے قرضوں کا اللہ تعالیٰ اس طرح انتظام فرما دے گا کہ جہاں سے ہمارے سان گمان میں بھی نہ ہوگا، پس حکم ران اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور توکل دل ودماغ کی فکری وعملی ہم آہنگی سے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے سورۂ طلاق میں ارشاد فرمایا کہ ''جس نے اللہ پر توکل کر لیا وہ اس کو کافی ہوتا ہے۔''

درس قرآن
قسط نمبر ۵

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ o وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ o فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ o إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ o﴾[الصّٰفّٰت: ۷۱-۷۴]

''اور بلاشبہ یقیناً ان سے پہلے اگلے لوگوں میں سے زیادہ تر گمراہ ہو گئے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ان میں کئی ڈرانے والے بھیجے۔ سو دیکھ ان ڈرائے جانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ مگر اللہ کے خالص کیے ہوئے بندے۔''

پہلی آیات میں مشرکین کا انجام بیان کرتے ہوئے ان کے شرک و کفر کا سبب بھی بیان ہوا ہے۔ اب ان آیات میں پہلی اُمتوں کی گمراہی اور ان کے انجام کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک طرف تو کفارِ مکہ کو تنبیہ ہے کہ تم جو ہمارے رسول کی تکذیب کر رہے ہو تمھارا انجام بھی وہی ہوگا جو پہلے مکذبین کا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے لیے اس میں تسلی کا پہلو بھی ہے کہ یہ جو آپ ﷺ کی تکذیب کی جا رہی ہے یہ کوئی نیا معاملہ نہیں، آپ ﷺ سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی گئی ہے۔ آپ ﷺ اس سے دل برداشتہ نہ ہوں، صبر کریں اور اپنے دعوتی مشن کو جاری رکھیں۔

﴿أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ﴾ پہلی اُمتوں کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ ان کے اکثر لوگ گمراہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب دعوتِ توحید دی تو اہلِ مکہ کی اکثریت نے آپ ﷺ کی دعوت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بتلایا گیا ہے کہ تمھارے مدمقابل آج ہی کثرت میں نہیں بلکہ پہلی اُمتوں میں بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ ان کے اکثر گمراہ تھے۔ اس لیے ہدایت و گمراہی اور حق و باطل کا معیار کثرت و قلت نہیں بلکہ معیار اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول کی پیروی ہے۔ محض اکثریت کی پیروی راہِ ہدایت نہیں بلکہ گمراہی ہے۔ حتی کہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾[الأنعام: ۱۶۶]

''اور اگر تو ان لوگوں میں سے اکثر کا کہا مانے جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔''

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ o﴾[المائدة: ۱۰۰]

''کہہ دے: ناپاک اور پاک برابر نہیں، خواہ ناپاک کی کثرت تجھے تعجب میں ڈالے، پس اللہ سے ڈرو اے عقل والو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

ہر فیصلہ دلیل و برہان پر ہونا چاہیے نہ کہ عوام الناس کی اکثریت دیکھ کر۔ امام ابوشامہ فرماتے ہیں کہ یہ جو 'جماعت' کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم ہے تو اس سے حق کے ساتھ وابستہ رہنا اور حق کی پیروی مراد ہے اگرچہ حق کے ساتھ تمسک کرنے والوں کی تعداد قلیل ہو اور مخالفت کرنے والے بہ کثرت ہوں۔ اس لیے کہ حق وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں پہلی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی، ان کے بعد اہلِ باطل کی کثرت باعثِ التفات نہیں۔

(کتاب الباعث، ص:۹۱)

ان کی حقیقت پر مبنی یہی بات حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے إغاثة اللهفان (۱/ ۸۴، ۸۵) میں نقل کی ہے۔

اس کے بعد اُنھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا:

"الجماعة ما وافق الحق وإن كنت وحدك." (كتاب الباعث، شرح أصول الاعتقاد: ١/ ١٠٩)

''جماعت وہ ہے جو حق کے ساتھ ہے، خواہ تم تنہا ہو۔''

یعنی اگر جماعت حق کا ساتھ چھوڑ دے تم اکیلے ہی حق پر ڈٹے رہو، تم ہی جماعت ہو۔

امام ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسلكوا سبيل الحق ولا تستوحشوا من قلة أهله." (حلية الأولياء: ٧/ ٣٠٦)

''حق کی راہ پر چلو، اس سے مت گھبراؤ کہ اس پر چلنے والے کم ہیں۔''

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عليك بآثار السلف وإن رفضك الناس."

(السير: ٧/ ١٢٠ شرف أصحاب الحديث)

''آثارِ سلف کو لازم پکڑو اگرچہ لوگ تمھارا ساتھ چھوڑ جائیں۔''

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ جو سوادِ اعظم کے ساتھ لگے رہنے کا حکم ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ محمد بن اسلم طوسی اور ان کے رفقاء کے ساتھ لگے رہو۔

امام اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی سوال کسی نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کیا تو اُنھوں نے فرمایا تھا: ابوحمزہ السُّکّری محمد بن میمون المروزی کے ساتھ رہو۔ پھر امام اسحاق نے فرمایا:

''ان کے زمانے میں وہی تھے مگر ہمارے زمانے میں محمد بن اسلم طوسی رحمہ اللہ اور ان کے ہم نوا ہیں۔''

امام صاحب نے مزید فرمایا:

''اگر تم جاہلوں سے پوچھو کہ سوادِ اعظم کیا ہے تو وہ کہیں گے: لوگوں کی جماعت۔ مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ جماعت سے مراد وہ عالم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع دار ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع و تابع دار ہے وہ جماعت کے ساتھ ہے۔ میں نے پچاس سال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا تابع دار محمد بن اسلم رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔''

(الاعتصام للشاطبي: ٢/ ٢٦٧، التذكرة)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی یہی بات إغاثة اللهفان (١/ ٨٥) میں ذکر کی ہے اور بالآخر فرمایا ہے:

"صدق والله، فإن العصر إذا كان فيه عارف بالسنة داع إليها فهو الحجة وهو الاجماع وهو السواد الأعظم وهو سبيل المؤمنين...... إلخ."

''اللہ کی قسم (امام اسحاق نے) سچ فرمایا ہے۔ زمانے میں جب سنت کا عارف ہو اور سنت کی دعوت دیتا ہو تو وہی حجت ہے وہی اجماع ہے وہی سوادِ اعظم ہے اور وہی سبیل المومنین ہے۔''

اس سے جو کوئی جدا راستہ اختیار کرتا ہے اس کا انجام جہنم ہے۔ اس لیے کتاب و سنت کی پیروی ہی حق ہے، یہی ((ما أنا عليه وأصحابي)) کا مصداق ہے اور وہی طائفہ مبارکہ ہے جو اس حق سے وابستہ ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم.))

(الصحيحة، رقم: ١٩٥٥، ١٩٦٢)

''میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی جو ان کی مخالفت کرے گا انھیں اس سے نقصان نہیں پہنچے گا۔''

اس لیے عامۃ الناس کی کثرت و بھیڑ کسی قول و عمل کے سچا ہونے کی دلیل نہیں۔ بہ حیثیت عمومی مسلمانوں کے مقابلے میں کفار و مشرکین کی تعداد آج بھی زیادہ ہے۔ شیطان مردود نے بغاوت

کرتے ہوئے اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کا جو اعلان کیا تھا اس میں اس نے کہا تھا:

﴿وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ [الأعراف:١٧]

''اور تُو ان کے اکثر کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سبأ:٢٠]

''اور بلاشبہ یقیناً ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر دکھایا تو مومنوں کے ایک گروہ کے سوا وہ سب اس کے پیچھے چل پڑے۔''

اسی سورت میں ہی فرمایا ہے:

﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ [سبأ:١٣]

''اور بہت تھوڑے میرے بندوں میں سے شکر گزار ہیں۔''

بلکہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں اکثر کا حال یہ بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [يوسف:١٠٦]

''اور ان میں اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں۔''

اس لیے رسول کے مقابلے میں یا کتاب وسنت کے مقابلے میں اکثریت میں کوئی وزن نہیں۔ حق کے مقابلے میں باطل اور توحید کے مقابلے میں شرک اور ایمان کے مقابلے میں کفر کی ہمیشہ سے کثرت رہی ہے۔ یہاں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ پہلی اُمتوں میں بھی اکثر گمراہ تھے۔ آج بھی اگر یہی صورت حال ہے تو اس سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ صبر کرنا چاہیے اور اپنی دعوت کو جاری رکھنا چاہیے۔ فاصبر كما صبر أولو العزم من الرسل.



(**بقیہ : آنحضرت ﷺ کا یوم پیدائش** ......)

اشغال واعمال کو اسلامی قرار دینے پر ہی مصر ہیں تو حکومت میں پڑھے لکھے لوگ بھی آخر موجود ہیں، انھیں اصل حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل کرانے کے لیے انتظامیہ کی مشینری کو حرکت میں لانا چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اربابِ اقتدار کو مذکورہ بالا ظاہر و باطن بات کا موجودہ حالات میں باور کرانا سخت مشکل ہے، اس لیے پچھلے دنوں میں نے ایک پریس کانفرنس بلا کر نفس مسئلہ سے قطع نظر صرف معاشرتی نقطہ نظر سے اربابِ اقتدار کو جھنجھوڑنے کی غرض سے چند تجاویز پیش کیں جن سے مقصد یہ تھا کہ اس گناہ عظیم کو کسی وجہ سے حکومت اگر فوری طور پر نہیں روک سکتی تو اس کو کم از کم اپنے اور ہر شریف آدمی کے نقطۂ نگاہ سے ہی دیکھنا چاہیے کہ اس میں بدعات کے ساتھ شرک اور فواحش کی دن بہ دن کثرت ہوتی جا رہی ہے اور بہت سی قومی دولت ضائع کی جا رہی ہے، سردست اس پر ہی قدغن لگائی جائے۔

نیز ان بدعاتِ شنیعہ سے بدکاری اور عریانی کے ان نئے رجحانات کو بھی خارج کیا جائے تاکہ فسق پسند اور بدقماشوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکے۔

علاوہ ازیں ان بدعات کی تبلیغ واشاعت ایسے انداز سے جاہل ملاؤں کا ایک طبقہ کرتا ہے جس سے مسلمانوں میں تفرقہ بڑھتا ہے اور فرقہ وارانہ تعصب کی آبیاری ہوتی ہے اور ''ظلمات بعضها فوق بعض'' کے مصداق برائی کی تہوں میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں میری رائے بالکل واضح ہے کہ عوام کے سامنے میلاد کی محفلوں کے بدعت ہونے کی وضاحت تقریروں اور تحریروں کے ذریعے سے ضرور کی جائے اور بحمد اللہ ہماری جماعت نے بالخصوص ہمیشہ کی ہے۔ لیکن جو لوگ اس بدعت کو چھوڑنے کے لیے کسی طرح تیار نہ ہوں تو ان کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے کہ خدا کے لیے فواحش، عریانی، قومی دولت کے ضیاع اور تفرقہ پردازی وغیرہ نقصانات ومضرات سے تو یہ ''عاشقانِ رسول'' ان محفلوں کو بچائے رکھیں ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا



درسِ حدیث

اربعین اعتقادی

ترجمہ وفوائد حافظ ریاض عاقب اثری

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

باب:وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ ،

وقول الله تعالیٰ:

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝﴾[آل عمران:٨٥]

وقوله تعالیٰ:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾

[هود:١٧]

٢٧۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار.))(صحيح مسلم، رقم:١٥٣)

رسالتِ محمد ﷺ پر ایمان کے وجوب کا بیان:

فرمانِ الٰہی ہے:

''جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے گا، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔''

اورفرمایا:

''اور تمام گروہوں میں سے جو بھی اس کا انکار کرے گا تو آگ ہی اس کے وعدے کی جگہ ہے۔''

٢٧: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس اُمت کے جس یہودی اور عیسائی نے میرے بارے میں سُن لیا اور پھر وہ مجھ پر اُتاری گئی شریعت پر ایمان لائے بغیر فوت ہوگیا تو وہ جہنمی ہے۔''

فوائد:

١: رسالت محمدی پر ایمان لانا تمام لوگوں پر فرض ہے۔

٢: دین اسلام کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔

٣: روئے زمین پر بسنے والے تمام مذاہب کے لوگ، مثلاً: یہودی، عیسائی، زرتشتی، ہندو، بدھسٹ، مجوسی، بہائی، صابی، مرزائی اور تمام کفار ومشرکین وغیرہم میں سے کوئی بھی اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر ایمان نہ لایا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

٤: مندرجہ بالا قرآنی آیت اور حدیث نبوی سے فلسفہ وحدت ادیان کا خوب رد ہوتا ہے۔

عصر حاضر کا جدت پسند اور سیکولر طبقہ فلسفۂ وحدت ادیان کا بڑا پرچار کررہا ہے ان کے نزدیک رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ وہ ان غیر مسلموں کو نجات یافتہ سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن کی آیات اور حدیث نبوی نے واضح کردیا ہے کہ رسالت محمدیہ علی صاحبها الصلاة والتسليم پر ایمان لانا ضروری ہے۔



تعلیم و تربیت

آنحضرت ﷺ کا یومِ پیدائش

اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ

از افادات: مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

اسلام کے مزاج کا تقاضا ہے کہ وہ اشخاص سے زیادہ ان کارناموں کی عزت کرتا ہے جو کسی بڑے شخص سے صادر ہوں، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ ہدی رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی کسی بڑے آدمی کا جنم دن یا موت کا دن منانے کی کوشش نہیں فرمائی، اس رسم کی اسلام میں اگر کچھ اہمیت ہوتی تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیدائش کے دن ضرور ہی منائے جاتے۔

عوام نے پیدائش کے دن کو میلاد سے تعبیر کیا اور موت کے دن کو عرس کا نام دیا۔ لیکن یہ رسم صدیوں بعد بنائی گئی۔ اور عموماً ایسی رسوم کا اہتمام وہی لوگ کرتے ہیں جنھیں ان سے کچھ نہ کچھ مالی فائدہ ہوتا ہے، عوام بے چارے عقیدت کی وجہ سے خسارے ہی میں رہتے ہیں۔

ابتدائے اسلام سے اکابرِ اسلام کی پیدائش اور موت کے دن منانے کا اہتمام کیا جاتا تو شائد سال کا کوئی دن بھی کسی ''میلاد شریف'' یا ''عرس شریف'' سے خالی نہ ہوتا۔ اُمت میں بحمد للہ پاک لوگوں کی کمی نہیں تھی، اگر ان کے واقعات اور حوادث کو بہ طورِ ایام منایا جاتا تو یقیناً بہت سے ضروری اور اچھے کاموں کے لیے وقت ہی نہ بچتا، سارا وقت مرنے والوں کے احترام اور اہتمام میں گزر جاتا، زندوں کی اصلاح اور تعمیر کے لیے شاید ہی تھوڑا بہت وقت نکلتا۔ رجال، سیرت اور وفیات کی کتابوں میں اپنے اکابر کے تذکرے پڑھیے اور پھر ملاحظہ فرمایئے، کیا ان سب حضرات نے اعراس اور موالید کے اہتمام فرمائے؟ شائد گداگر اور ملاّ حضرات تو اس کاروبار کو کریں کہ اُنھیں اس سے کافی حد تک معاشی سہولتیں میسر آجاتی ہیں لیکن عامۃ المسلمین کے لیے اس میں بے کاری اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ رسم اہل اسلام میں غیر مسلم قوموں کی تقلید سے آئی، مغربی قومیں غالباً پیدائش کے دن مناتی ہیں مگر مشائخ اور اکابر کے مرنے پر ان کے ہاں بھی عرس کا کوئی انتظام نہیں۔ عرس کی رسم شاید ہندوؤں میں بھی نہ ہو۔ یہ صرف دکاندار قسم کے متاخر صوفیوں نے ایجاد کی جس کا نتیجہ قبر پرستی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔

محفل میلاد:

یہ وہ چیز ہے جسے ان حضرات نے کفر اور اسلام میں فرق کنندہ تصور کیا ہے کہ جو اس رسم میں شریک نہ ہو اُسے ابلیس کا ساتھی سمجھتے ہیں۔ آج کل یہ رسم بھی غیر مسلم فرقوں کی نقالی میں منائی جارہی ہے۔ قرونِ خیر اور ائمہ اسلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کم علم ملاّ اسے غیر مسلموں کی تقلید ہی میں مناتے ہیں، حافظ ابو شامہ (متوفی ۶۶۳ھ) نے ''الباعث علی إنکار البدع والحوادث'' میں فرمایا:

''أول من فعل هذا بالموصل الشيخ عمر بن محمد الملا، أحد الصالحين المشهورين وبه اقتدى صاحب اربل.''

یعنی سب سے پہلے مولد کا فعل ملاّ عمر بن محمد نے کیا جو مشہور نیک آدمی تھا۔''

واضح رہے یہ بدعت قریباً ۶۰۴ھ میں ایجاد ہوئی۔

ملاّ عمر بن محمد موصل کے رہنے والے تھے۔ اربل موصل کے قریب ہے، یہاں کے رئیس ابوسعید مظفر الدین ابوالحسن علی بن سبکتگین نے اسے بہت نمایاں کیا اور اس بدعت کو بہت فروغ دیا۔ مورّخ ابن خلکان ملک مظفر الدین کوکبوری کے بہت ہی ممنون معلوم ہوتے ہیں کہ اُنھوں نے اسے کافی پھیلا کر ذکر کیا ہے اور اس کے محاسن میں

لکھتے ہیں:

"لم يكن له لذة سوى السماع فانه كان لا يتعاطى المنكر."(ابن خلكان: ۲/ ۲۳۶)

''وہ سماع سے محفوظ ہوتا تھا اور برائیوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔''

اس کے بعد ابن خلکان نے محفل میلاد کا مبسوط تذکرہ مزے لے لے کر کیا ہے، فرماتے ہیں:

''اوائل محرم میں بغداد، موصل، جزیرہ، سنجار، نصیلبین اور عجم کے شہروں سے فقیہ، صوفی، واعظ، قاری اور شاعر آنے شروع ہو جاتے تھے اور ملک مظفر الدین ان کے لیے چار چار پانچ پانچ منزل لکڑی کے خیمے لگواتا تھا، سب سے بڑا خیمہ بادشاہ کا ہوتا باقی ارکانِ دولت کے خیمے ہوتے اور اوائل صفر میں انھیں سجایا جاتا اور مغنی اور ڈرامہ کرنے والے، مختلف قوم کے کھلاڑی یہاں فروکش ہوتے اور لوگ کاروبار ترک کر کے ان محفلوں میں مشغول ہو جاتے اور بادشاہ ہر خیمے کے پاس سے عصر کے بعد گزرتے گانا سنتے اور ڈرامہ دیکھتے، تمام رات گانا سننے کے بعد صبح شکار کے لیے چلے جاتے۔ اور میلاد ایک سال ۸ ربیع الاول کو مناتے اور ایک سال ۱۲ ربیع الاول کو۔ یہ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت میں اختلاف ہے، پھر اُونٹ اور گائے اور بکریاں سجا کر نکالتے اور ان پر طبل اور گانے بجانے کا سامان لاد کر میدان میں لے آتے، پھر انھیں ذبح کر کے پکانا شروع کر دیتے، پھر میلاد کی رات سماع کی محفلیں گرم ہوتیں اور شمعیں جلائی جاتیں، میلاد کی صبح صوفی صاحبان کو قطاروں میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر خلعتوں کے بُقچے رکھ دیتے اور بادشاہ لکڑی کے خیمے لگانے والوں اور صوفی صاحبان اور ان کے ساتھ فوجوں کا نظارہ دیکھتے۔''(ابن خلکان: ۲/ ۴۳۷)

اس بادشاہ کے عہد میں ابوالخطاب عمرو بن دحیہ بن خلیفہ نے ایک کتاب "التنوير في مولد السراج المنير" لکھی جس میں موضوعات اور اکاذیب جمع کیے اور ایک ہزار روپے انعام پایا۔

اور یہ کوکبوری جب حلوہ یا کوئی میوہ کھاتے تو بقیہ ان صوفی فقراء اور شیوخ کو بھیج دیتے اور اکیلے کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ مظفر الدین کوکبوری کا انتقال (۶۳۰ ھ) میں ہوا۔ یہ بدعت ساتویں صدی ہجری کے شروع میں یا چھٹی صدی کے آخر میں شروع ہوئی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ۶۳۰ ھ کے واقعات میں مظفر الدین کوکبوری کے تذکرے میں وہاں کے بعض مصارف کا ذکر کیا ہے؛ پانچ ہزار جانور بھنا ہوا، دس ہزار مرغی، ایک لاکھ پرند، تیس ہزار پلیٹ حلوہ شریف اور بڑے بڑے صوفی صاحبان اس محفل میں شریک ہوتے، ظہر سے صبح تک قوالی ہوتی، صوفی صاحبان قوالی سنتے اور ناچتے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مظفر الدین اس محفل پر ہر سال تیس ہزار دینار صرف کرتے تھے۔

کوکبوری ''سنت'':

مروجہ محفل میلاد آنحضرت ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں، البتہ اس کو مظفر الدین کوکبوری اور ملا عمر بن محمد کی سنت سمجھنا چاہیے، نیز یہ اُمید رکھنی چاہیے کہ اس میں مزید کچھ اضافے ہوئے ہوں گے، کوکبوری نے تو اتنا کرم کیا کہ شہر سے باہر میدان میں یہ میلہ رچایا، جس کا جی چاہا چلا گیا، جس نے ناپسند کیا، نہ گیا۔ اب بازاروں کا چکر کاٹنا، یہ اضافہ غالباً مرحوم عبدالمجید قریشی مقیم پٹی نے کیا۔ اور ہمارے ملّا حضرات نے آنحضرت ﷺ کی مسجد کی شبیہ اور قوالیوں کے ساتھ فلمی گانوں کا اضافہ کر کے اس تماشے کو دو آتشہ کر دیا ہے۔ حکومت نے ملّا حضرات کے لیے کھانے کا تو انتظام نہیں کیا، البتہ اسے جاہل امیروں کے سپرد کر کے خود الگ ہو گئی اور صورت یہ ہو گئی ہے کہ کوکبوری سنت پر عمل فرماتے ہوئے اس میں ناچ اور رقص کا اور اضافہ ہو گیا اور بڑے بڑے سفید ریش ملّا صاحبان بیل گاڑیوں پر تشریف رکھے ہوئے ناچتے اور رقص کرتے ہیں۔

دور اندیش اہل علم:

اس پر جہاں گوشت اور حلوہ کے عاشق کوکبوری سنت پر عمل کرتے

ہوئے اربل کی اس محفل میں شکم پروری کے لیے پہنچتے تھے، وہاں دور اندیش اور سنتِ نبوی پر عمل کے عاشق اس ہنگامہ لحم وشیرینی کے خلاف تنقید کا بھی فرض انجام دے رہے تھے، مثلاً: علامہ ابن الحاج اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم اور علامہ شاطبی (مؤلف ''الاعتصام'') وغیرہم رحمہم اللہ۔

امام ابوعبداللہ محمد بن محمد العبدری (المتوفی ۷۳۷ھ) المعروف بابن الحاج نے اس بدعت کے متعلق تفصیلاً لکھا ہے اور ساتویں صدی کے اواخر تک محفل میلاد کے ضمن میں جس قدر بدعات رونما ہو چکی تھیں، ان کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے:

"(فصل في المولد) ومن جملة ما احد ثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات و اظهار الشعائر ما يفعلونه في شهر ربيع الاول من المولد وقد احتوى على بدع و محرمات جملة فمن ذل استعمالهم المغانى و معهم آلات الطرب والطار المصرصر وغير ذلك مما جعلوه آلة السماع." (المدخل لابن الحاج:١/ ٢٦١)

''لوگوں کی پیدا کردہ بدعات سے ایک بدعت محفل مولد بھی ہے جسے یہ ربیع الاول میں رچاتے ہیں اور محفل قوالی کے علاوہ طنبور طار اور دوسرے گانے بجانے کے آلات استعمال کرتے ہیں جو محرمات میں شامل ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''بعض لوگ اس گانے بجانے کی بجائے قراء اور فقراء کو کھانا کھلاتے ہیں۔لیکن یہ کھانا مسکین کی خدمت کے ارادے سے نہیں بلکہ مولد کی نیت سے ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی بدعت ہے۔'' (ص:۲۸۰)

بعض لوگ بعض رسوم اور مسرت کے واقع پر اپنے دوستوں کو تنبول کے طور پر روپے دے دیتے ہیں، اب واپس مانگتے شرماتے ہیں تو وہ محفل میلاد کے بہانے سے اپنے روپے وصول کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے علماء نے اس عمل کو بدعت اور حرام لکھا ہے، اگر ضرورت ہوئی تو اس کی تفصیل کسی دوسرے موقع پر دی جائے گی۔

معلوم ہو چکا ہے کہ ساتویں صدی کے آغاز (۶۰۴ھ) میں یہ بدعت شروع ہوئی، صدی ختم ہونے تک اس میں بیسیوں قسم کے منکرات پیدا ہو گئے اور پھر برسوں تک یہ بدعت متروک رہی، اب انگریز کے آخری دور میں ہندوؤں کے بزرگوں کے جنم دن کی تقلید میں اسے پھر سے شروع کیا گیا۔حکومت نے لاعلمی کی وجہ سے اسے دین کا مسئلہ سمجھ کر اس میں نیم سا تعاون کیا، اب ملّا حضرات نے پھر اسی پیٹ کے دھندے کو اپنا کر پیٹ اور محفل کی رونق کا سامان مہیا کر دیا ہے حالانکہ آج کل اس میں اور مفاسد پائے جا رہے ہیں، مثلاً: فواحش کی گرم بازاری، وغیر ذلک۔اس طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقیدت کے نام پر فسق وفجور کو رواج دیا جا رہا ہے۔

کم علم ملّا حضرات اپنے انتقامی جذبات کی تسکین بھی اسی بہانے سے کر لیتے ہیں، بیل گاڑیوں پر بیٹھ کر اہل توحید کی مساجد اور مجالس کے سامنے ہنگامہ آرائی کر کے بداخلاقی کا ثبوت دیتے ہیں اور یہ سب کچھ حکومت کے تعاون کی آڑ میں ہو رہا ہے۔

میرے نزدیک یہ فعل بدعت ہے، اس میں کتنی بھی تقدیس پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، میں اسے گناہ سمجھتا ہوں۔لیکن ہم ایسے اسلامی ملک میں رہ رہے ہیں، جس کے حکام اور اربابِ اقتدار اسلام کی تعلیمات سے بے خبر ہیں، یہاں ان بدعات کو اسلام پسندی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، پھر اس میں فواحش کا ارتکاب ہوتا ہے اور ہم ان کو بالجبر روکنے پر قادر نہیں۔

اندریں حالات اصل مطالبہ تو ہمارا یہی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت پاکستان کو اسلام کے خلاف سب چیزیں بند کر دینی چاہئیں۔ لیکن عوام اگر اپنے کم علم مولویوں کے بہکاوے میں آ کر ان غیر اسلامی

(باقی صفحہ ۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

مقالات علمیہ **قسط نمبر ۵**

اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت

اور اہل السنۃ والحدیث کے نزدیک اس کا معنی

موہب الرحیم

۴۔محبوب کی اطاعت:

محبت کرنے والا لازمی طور پر اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔ بہ صورت دیگر یا تو اس کی محبت درست نہیں یا کوئی اور اس کو زیادہ محبوب ہے جس کی بنا پر وہ اپنے محبوب کا مطیع نہیں ہے۔

محبوب کے ہجر کو، محبوب کی بے رخی اور محبوب کی ناراضی کو برداشت کرنا مُحبّ کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ مُحبّ کی ہر حرکت ہی تو محبوب کو پانے اور اس کی رضا کے حصول کے لیے ہوتی ہے، اس لیے محبوب کی بات نہ ماننا محبت کے منافی ہے۔ اور مُحبّ کے لیے اس سے بڑھ کر پریشان کن بات کوئی اور نہیں ہو سکتی کہ محبوب اس سے ناراض ہو جائے، اس لیے وہ اس کی ہر بات مانتا ہے اور اس کی رضا مندی کو ہی ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے لیے اتباع کی شرط عائد کر دی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ o﴾[آل عمران:۳۱]

''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا۔''

حسن بصری کہتے ہیں:

''ایک قوم نے عہدِ نبوت میں اللہ کی محبت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اپنی محبت کی علامت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو بنایا۔'' (تفسیر طبری:۳/۱۶۹)

اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ o﴾[النساء:۸۰]

''اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔''

رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے علاوہ اللہ کی محبت کے تمام دروازے بند ہو چکے، اب اتباعِ نبی کے بغیر یہ محبت ممکن نہیں، لہٰذا اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے۔

تعصي الإله وأنت تظهر حبه
هذا محال في القياس بديع
لو كان حبك صادقا لأطعته
إن المحب لمن يحب مطيع

کہا گیا ہے کہ محبت ''مواطأت القلب لمرادات الرب.'' یعنی رب کی مراد کی دلی موافقت کا نام ہے۔ گویا مخالفت بالکل ترک کر دینے کا نام محبت ہے۔ بلکہ ابوعلی الروزباری کا قول ہے:

"المحبة الموافقة." (الرسالة القشيرية، ص: ۳۵۰)

''محبت تو موافقت کا نام ہے۔''

سہل بن عبداللہ التستری کہتے ہیں:

"الحب معانقة الطاعة ومباينة المخالفة."

(الرسالة القشيرية، ص: ۳۵)

''محبت اطاعت کو گلے لگانے اور مخالفت سے جدا ہونے کو کہتے ہیں۔''

سچ کہا گیا ہے:

"من أحب الله فليدع معاصيه، و من أراد التقرب إلى الله ففي طاعته، ومن تقرب

إلى الله ازداد الله منه قربا."

(تهذيب الأسرار ، ص: ٦١)

''جو اللہ سے محبت کرے وہ اس کی نافرمانی کو ترک کر دے۔ اور جو اللہ کے تقرب کا ارادہ کرے تو وہ اس کی اطاعت میں ہے۔ اور جو اللہ کی جتنی قربت حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔''

مسلم بن یسار کہتے ہیں:

"ما أدري ما حسب إيمان عبد لا يترك شيئا يكرهه الله عزوجل."(حلية: ٢/ ٣٠٧)

''میں نہیں جانتا ایسے بندے کے ایمان کا کیا حساب ہے جو کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتا جس کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔''

علی بن بکار کہتے ہیں:

"حبه طاعته ، إذا أطعته فقد أحببته."

(تهذيب الأسرار ، ص: ٦٢)

''اس کی محبت اس کی اطاعت ہے۔ جب تم نے اس کی اطاعت کی تو یقیناً تم نے اس سے محبت کی۔''

ذوالنون کہتے ہیں:

"من علامات المحب لله متابعة حبيب الله في أخلاقه وأفعاله وأمره وسننه."

(طبقات الصوفية ، ص: ٢١)

''اللہ سے محبت کرنے والے کی علامات میں سے ہے کہ وہ اللہ کے محبوب (ﷺ) کے اخلاق، افعال، اس کے حکم اور طریقے کی متابعت کرتا ہے۔''

محبت کرنے والا اپنی مرضی اور اپنی مراد کو نہیں بلکہ محبوب کی مراد، محبوب کی رضا اور محبوب کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہے، اس لیے کہ محبت تو محبوب کی مراد کو اپنی مراد پر ترجیح دینے کا نام ہے:

"إيثار مراد المحبوب على مراد المحب."

پس مومن ہمیشہ اللہ کی مراد، یعنی مراد شرعیہ کو ترجیح دیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت کرنے والوں کی مراد محبوب کی مراد سے متحد ہو جاتی ہے، کہا گیا ہے کہ محبت:

"اتحاد مراد المحب و مراد المحبوب."

''مُحبّ اور محبوب کی مراد کا ایک ہونا ہے۔''

محبت تو ایسی آگ ہے جو دل سے محبوب کی مراد کے علاوہ ہر مراد کو جلا ڈالتی ہے:

"تحرق من القلب ما سوٰى مراد المحبوب."

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ایک ملحد کہنے لگا:

''جب تمام کائنات ہی اس کی مراد ہے تو پھر کائنات میں سے کون سی چیز سے میں بغض رکھوں؟''

اس سوال کا مطلب یہ تھا کہ کائنات میں اللہ کی مراد کے بغیر تو کچھ ہو نہیں رہا، وہی کچھ ہوتا ہے جس کا اللہ ارادہ کرتا ہے۔ اور کائنات میں تو کفر، فسق و فجور، قتل، زنا وغیرہ بھی موجود ہیں تو جب یہ بھی اس کی مراد ہیں تو میں ان میں سے کس چیز سے بغض رکھوں اور کیوں کر جب کہ محبت تو محبوب کی مراد کے سوا تمام مرادات کو جلا ڈالتی ہے!

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سے کہا:

''اگر محبوب بعض چیزوں کو دھتکارے، ان پر لعنت کرے، ان کے کرنے پر سرزنش کرے اور تُو اُن سے محبت کرے تو تُو اپنے محبوب سے دشمنی کرنے والا ہوگا یا دوستی؟ اس کے منہ میں تو گویا کسی نے کوئلے ڈال دیے ہوں، وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے رسوا ہو کر رہ گیا۔'' (مدارج:۳/۱۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مراد یہ تھی کہ اعتبار اللہ تعالیٰ کی شرعی مراد کا ہے کہ جس کو وہ پسند کرتا ہے اور جس کا وہ حکم دیتا ہے نہ کہ وہ مرادات جن کو وہ ناپسند کرتا اور ان سے روکتا ہے۔

اس قول کے قائل کی بھی یہ مراد نہیں جو اس ملحد نے لی ہے بلکہ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی شرعی مراد تھی جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

۵۔محبوب کی ناپسندیدہ چیزوں کا ترک:

اس کی وجہ بھی وہی ہے جو چوتھی علامت کے شروع میں بیان ہوئی ہے۔

٦۔محبوب کی طرف منسوبین سے محبت کرنا:

یہ محبت ہی نہیں ایمان کا بھی جزو لازم ہے، یعنی محبوب کو پسند اور اس سے تعلق رکھنے والوں سے محبت کرنا۔اسی طرح جو اس کے دشمن ہیں ان سے سخت دشمنی رکھنا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ o﴾[المجادلة:۲۲]

''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا ان کا خاندان ہو۔یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے۔''

اللہ کی محبت اور اس کے دشمنوں کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی جس طرح ایک چیز میں دو جوہر نہیں آ سکتے، اور ایک مکان میں دو جسم اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

بلکہ جو اللہ کے دشمنوں سے محبت رکھے تو وہ اپنے آپ کو اللہ کے دشمنوں میں ہی شمار کرے:

❁......﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ o﴾[المائدة: ٥١]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے۔''

❁......﴿وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ o﴾[المائدة:۸۱]

''اور اگر وہ اللہ پر، نبی پر اور جو اس کی طرف نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان رکھتے ہوتے تو انھیں دوست نہ بناتے۔''

بلکہ اللہ کے دشمنوں پر تو مومن انتہائی سخت ہوتے ہیں:

❁......﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ o﴾[الفتح:۲۹]

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو اس کے ساتھ ہیں وہ کفار پر انتہائی سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔''

❁......﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ o﴾

[المائدة: ٥٤]

''پس عنقریب اللہ ایک ایسی قوم کو لائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے، مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔''

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾[الممتحنة:٤]

''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور اُن لوگوں میں جو اُس کے ساتھ تھے، ایک اچھا نمونہ تھا جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور اُن تمام چیزوں سے بری ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دُشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا یہاں تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ۔''

❁......"وسئل المرتعش: بم تنال المحبة : قال : بموالاة اولياء الله ومعاداة أعدائه."

(طبقات الصوفية، ص:۳۵۱)

’’مرتعش سے (اللہ کی) محبت کے بارے میں سوال ہوا کہ اس تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟ کہنے لگے: اللہ کے دوستوں سے دوستی اوراس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہوئے۔‘‘

❁......”سئل ذوالنون عن المحبة فقال: ان تحب ما احب اللّٰه و تبغض ما ابغض اللّٰه و تفعل الخير كله و ترفض كل ما يشغل عن اللّٰه ولا تخاف في اللّٰه لومة لائم مع العطف للمؤمنين والغلظة على الكافرين واتباع رسول اللّٰه في الدين. “(طبقات الصوفية، ص:۱۸)

’’ذوالنون سے محبت کے بارے میں سوال ہوا تو کہنے لگے کہ تُو اس سے محبت کرے جس سے اللہ کرتا ہے اوراس سے بغض رکھے جس سے اللہ بغض رکھتا ہے اور ہر اُس چیز کو ترک کردے جو تجھے اللہ سے مشغول کرے اور اللہ کے متعلق ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے اور مومنوں پر نرمی، کافروں پر سختی اور دین میں رسول کی اتباع کرے۔‘‘

جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، پھر اپنی ہمدردیاں، دوستیاں، اپنا حلیہ، چال ڈھال اور طرزِ معاشرت اللہ کے دشمنوں جیسا اپناتا ہے تو وہ اپنے محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”لا يشبه الزي الزي حتى تشبه القلوب القلوب.“(الزهد لهناد، رقم: ۸۶۲)

’’ہیئت تب تک مشابہ نہیں ہوتی جب تک دل مشابہ نہ ہوں۔‘‘

اس کی سند میں اگر چہ کچھ کلام ہے لیکن معنی اس صورت میں بالکل درست ہے جب کہ معلوم ہو کہ یہ کام غیر مسلموں کی مشابہت ہے اور اللہ اس کو پسند نہیں فرماتا۔

رہی مومنوں کی آپس کی محبت تو وہ تو جسد واحد کی طرح ہیں، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد، إذا اشتكى منه عضوا تدعى له سائر جسده بالسحر والحمى.))

(صحیح بخاری، رقم:۶۰۱۱)

’’آپس کی چاہت، شفقت اور نرمی میں مومنوں کو تم ایک جسم کی مانند دیکھو گے کہ جس طرح جسم کا ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو بخار اور جاگنے میں سارا جسم ساتھ دیتا ہے۔‘‘

شاہ کرمانی کا قول ہے:

”محبة أولياء اللّٰه دليل على محبة اللّٰه.“

(طبقات الصوفية ، ص: ۱۹۳)

’’اولیاء اللہ سے محبت اللہ کی محبت پر دلیل ہے۔‘‘

پس جو بھی اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس سے اللہ کے لیے محبت ہونی چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی محبت پر اُبھارتا ہے اوراس پر اجر بھی دیتا ہے۔اور جو اللہ کا دشمن ہے، اس سے محض اللہ کی خاطر نفرت ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہی منشا ہے اوراس پر بھی وہ اجر دیتا ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے محبت کرنے والے اس سے دشمنی کرنے والوں کو ذلیل کریں اوران کو غصہ دلائیں:

﴿وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ﴾ [التوبة: ۱۲۰]

’’اور نہ کسی ایسی جگہ پر قدم رکھتے ہیں جو کافروں کو غصہ دلائے اور نہ کسی دشمن سے کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں مگر اس کے بدلے ان کے لیے ایک نیک عمل لکھ دیا جاتا ہے۔‘‘

لیکن ان سب کے باوجود اللہ کے دشمنوں کے بارے میں چاہنا کہ ایمان لے آئیں اور اللہ کی نافرمانی کو ترک کردیں تو یہ درست ہے کیوں کہ یہ مخلوق کی خیر خواہی ہے جس کا اللہ حکم دیتا ہے۔

۷۔محبوب کی ملاقات کا شوق:

مُحبّ محبوب سے ملاقات کرنا چاہتا ہے اور وہ اس کی ملاقات کا

شدت سے منتظر رہتا ہے۔ چونکہ اللہ کی ملاقات دنیا میں ممکن نہیں، اس لیے اللہ کی محبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے:

"كراهية البقاء في الدنيا."

''(محبت) دنیا میں (ہمیشہ) باقی رہنے کو ناپسند کرنا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحب لقاء الله أحب الله لقائه ، ومن كره لقاء الله كره الله لقائه.))

(صحيح بخاري ، رقم: ٦٥٠٨)

''جس نے اللہ سے ملاقات کو پسند کیا اللہ نے بھی اس کی ملاقات کو پسند کیا اور جس نے اس کی ملاقات کو ناپسند کیا تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔''

جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ ہدایت جاری کی ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾[الكهف: ١١٠]

''جو اپنے رب سے ملاقات کی اُمید رکھتا ہے وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے۔''

یحییٰ بن معاذ الرازی کہتے ہیں:

"علامة الشوق فطام الجوارح الشهوات."

(الرسالة القشيرية ، ص: ٣٥٨)

''شوق کی علامت؛ اعضاء و جوارح کو شہوتوں سے دور رکھنا ہے۔''

مُحبّ محبوب سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے اور اسی سے ملاقات کی تیاری میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت دنیا میں زہد کو واجب کرتی ہے، پھر انسان کو دنیا کا لالچ نہیں رہتا کہ زہد کی ضد طمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مُحبّ کے دل میں دنیا کا طمع باقی نہیں رہتا، وہ دنیا کو بہ قدر ضرورت ہی حاصل کرتا ہے۔

ابو یزید بسطامی کہتے ہیں:

"من أحب الله تعالى تزهد في كل شيء يشغله عن الله."(تهذيب الأسرار ، ص: ٥٧)

''جس نے اللہ سے محبت کی وہ ہر اُس چیز سے کنارہ کش ہو گیا جو اسے اللہ سے مشغول کرے۔''

امام شافعی کہتے ہیں:

"من ادعى أنه اجتمع حب الدنيا وحب خالقها في قلبه فقد كذب."

(الانتقاء لابن عبدالبر ، ص: ١٠١)

''جس نے دعویٰ کیا کہ اس کے دل میں اور دنیا کی اور اس کے خالق کی محبت دونوں جمع ہیں تو اس نے جھوٹا دعویٰ کیا۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"من ذاق من خالص حب الله شغله عن طلب الدنيا ذلك وأوحشه من جميع البشر."

(الانتقاء ، ص: ٥٩)

''جس نے اللہ کی خالص محبت کو چکھ لیا اس کو اس چیز نے دنیا کی طلب سے مشغول کر دیا اور تمام انسانوں سے وحشت میں مبتلا کر دیا۔''

فتح الموصلی کہتے ہیں:

"المحب لا يجد مع حب الله عزوجل للدنيا لذة ولا يغفل عن ذكر الله طرفة عين."

(جامع العلوم والحكم ، ص: ٧٣٥)

''محبت کرنے والا اللہ کی محبت کے ہوتے ہوئے دنیا کی کوئی لذت نہیں پاتا اور پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتا۔''

٨۔ محبوب کی رضا پر ہر چیز قربان کرنا:

اسی علامت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے:

"بذلك المجهود فيما يرضى المحبوب."

''محبوب کی رضا میں اپنی کوشش کو صرف کرنا (ہی محبت ہے۔)''

اور یہی مومنین کی صفت ہوتی ہے:

❁ ......﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۝﴾[الفتح:٢٩]

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر انتہائی سخت اور آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں۔''

❁....﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝﴾[الليل: ١٤-٢١]

''پس میں نے تمھیں ایک ایسی آگ سے ڈرایا ہے جو شعلے مارتی ہے۔ جس میں بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔ جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ اور عنقریب اس سے وہ بڑا پرہیزگار دور رکھا جائے گا۔ جو اپنا مال اس لیے دیتا ہے کہ پاک ہوجائے۔ حالانکہ اس کے ہاں کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر (وہ تو صرف) اپنے رب کا چہرہ طلب کرنے کے لیے (دیتا ہے) جو سب سے بلند ہے۔ اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہوجائے گا۔''

سلف میں سے کسی کا قول ہے:

"المحب لله طائر القلب ، كثير الذكر متسبب إلى رضوانه بكل سبيل يقدر عليها من الوسائل والنوافل دوبا دوبا و شوقا شوقا." (جامع العلوم والحكم ، ص: ٧٣٥)

''اللہ سے محبت کرنے والا دل کا پرندہ ہوتا ہے، بہت زیادہ ذکر کرنے والا، وہ نوافل و وسائل کے ہر مقدور طریقے کے ساتھ اللہ کی رضا کو حاصل کرنے والا ہوتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ﴾[الممتحنة:١]

''اور تم میرے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اور میری رضا کو تلاش کرتے ہوئے نکلے۔''

محبت کی ابتدا میں دل کو اس کام پر راضی کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی ہر چیز محبوب پر قربان کرے۔ اور جب محبت دل میں رسوخ پکڑ چکے تو پھر خوشی خوشی سب کچھ محبوب کی راہ میں لوٹا دیا جاتا ہے، مال بھی اور جان بھی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾[التوبة:١١١]

''بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور مال خرید لیے ہیں کہ یقیناً بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔''

(جاری ہے)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ①

تصوف نقل و عقل کی روشنی میں

ڈاکٹر ابراہیم بن محمد البریکان ترجمہ: صہیب حسن فضل حق مبارک پوری

پیش نظر مضمون ''تصوف نقل و عقل کی روشنی میں'' دراصل ڈاکٹر ابراہیم بن محمد البریکان ؒ کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جو مجلۃ البحوث الاسلامیہ (نمبر ۴۱، ذوالقعدۃ تا صفر، ۱۴۱۴ھ-۱۴۱۵ھ، ص: ۱۳۹) میں طبع ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا شمار شیخ ابن باز ؒ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ نشرِ علم، درس وتدریس اور وعظ وارشاد میں آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اسی طرح مختلف موضوعات پر آپ کے لیکچر بھی یادگار ہیں۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، چنانچہ "المدخل لدراسة العقيدة الإسلامية على مذهب أهل السنة والجماعة"، "منهج شيخ الاسلام ابن تيمية في تقرير عقيدة التوحيد"، "القواعد الكلية للأسماء والصفات عندالسلف" اور "الاختلاف في أصول الدين ؛ أسبابه وأحكامه" وغیرہ کتب آپ نے یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کی وفات ۱۱ دسمبر ۲۰۰۸ء (۱۳ ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ) جمعرات کی صبح اسی جائے نماز پر ہوئی جس پر آپ صلاۃ الضحیٰ پڑھنے کے بعد ذکر و اذکار میں مشغول تھے۔

شامل اشاعت مضمون کا اُردو ترجمہ ماہنامہ ''محدث'' بنارس (جولائی ۲۰۰۰ء) سے لیا گیا ہے۔ مضمون اصل عربی زبان میں تھا، چنانچہ اس کا ترجمہ مولانا صہیب حسن فضل حق مبارکپوری نے کیا ہے۔ ترجمے کی بعض اغلاط کو اصل کے ساتھ موازنے کے بعد درست کر دیا گیا ہے جو ''محدث'' (بنارس) میں باقی رہ گئی تھیں اور اب افادۂ عام کے لیے ہم اسے نذر قارئین کر رہے ہیں۔ (حماد الحق نعیم)

صوفیوں کے متعلق رائے رکھنے والوں کے تین گروہ ہیں:

پہلا گروہ:

اس نے صوفیوں اور ان کے علوم کے چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان کی مکمل طور پر مذمت کی اور اسلام کے ظاہری و باطنی آداب سے تعلق رکھنے والے کتاب وسنت کے موافق ان کے کلام سے بھی استفادہ نہ کیا۔ علامہ ابن قیم ؒ اس گروہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''صوفیوں کی اس جماعت کے محاسن، قلبی لطافت اور ان کے صدق معاملہ پر پردہ ڈالتے ہوئے ان کے شطحات کی وجہ سے ان لوگوں نے ان کی تمام خوبیوں کو مہمل قرار دیا، ان پر انتہائی سخت قسم کی نکیر کی اور علی الاطلاق ان کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہوئے۔ یہ زیادتی اور مبالغہ آرائی ہے۔ اگر ہر خطا کرنے والے یا غلطی کرنے والے کی بات اور اس کی خوبیوں کو ناقابل التفات سمجھ کر چھوڑ دیا جائے تو علم و حکمت اور صنعتوں کا جنازہ نکل جائے اور اس کے آثار فنا ہو جائیں۔'' (مدارج السالکین: ۲/۳۹)

اس زمانے میں اکثر لوگوں نے فن تصوف میں اسی قسم کی کتابیں تالیف کی ہیں، اس میں ظلم وزیادتی کا شکار ہو کر اُنھوں نے صوفیہ کی اس جماعت کی جانب منسوب بعض سلف صالحین کو بھی اپنے سب وشتم کا نشانہ بنالیا۔

دوسرا گروہ:

یہ گروہ بغیر کسی تمیز کے صوفیوں کے علوم پر متوجہ ہوا، ان کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے، ان کی حق و باطل ہر بات کو قبول کیا اور اپنی عام گفتگو میں ان کی پشت پناہی کی۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس گروہ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس گروہ نے صوفیوں کے محاسن، ان کی صفائی قلب، صحت عزائم اور ان کے حسن معاملہ کے پیش نظر ان کے شطحات اورخرابیوں سے نظر پوشی کر کے ان پر خوبیوں کے دامن دراز کیے، ان کی مدد کی اوران کی مقبولیت کا حکم جاری کرتے ہوئے اس کے غلبے کے خواہاں ہوئے۔ یہ لوگ بھی مبالغہ آمیزی اور حد سے تجاوز کا شکار ہوئے۔''

(مدارج السالکین:۲/۲۰)

اس طرح کے لوگ بھی ہمارے زمانے میں بہ کثرت ہیں۔ یہی چیز ان کے لیے بلا سمجھے بوجھے تصوف کا بھیس اختیار کرنے اور اس کی مدافعت کا سبب ہوئی۔ اس سلسلے میں وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جدید تصوف بدعت سے مل گیا ہے۔

تیسرا گروہ:

اس نے اعتدال کی راہ اپنائی اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کے حق کو قبول اور ان کے باطل کو رد کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ لوگ عدل وانصاف والے ہیں جنھوں نے ہر حق والے کو اس کا حق دیا اور ہر ذی مرتبت کو اس کے مرتبے میں رکھا۔ صحیح پر سقم وعیب اور فاسد وعیب دار پر صحت کا حکم نہ لگایا۔ بلکہ قابلِ قبول کو قبول اور لائقِ ردّ کو ردّ کیا۔''

(مدارج السالکین:۲/۴۰)

افسوس کہ ایسے لوگ اس زمانے میں کم ہیں۔

اس لیے میں نے ایک درمیانی بحث لکھنے کا ارادہ کیا جو طول مُملّ اور اختصارِ مُخلّ کے بین بین ہو کیوں کہ اس سے کلام کا حق ادا نہیں ہو پاتا اور اشارہ دقیق ہو جاتا ہے۔ میں کتاب وسنت کو میزانِ حق بناتے ہوئے اہل تصوف کے اقوال ورجال پر حکم لگانے میں عدل وانصاف کو پیش نظر رکھوں گا کیوں کہ کتاب وسنت ہی وہ امام ہیں جن کی اقتدا اور جن سے براہ راست ہدایت حاصل کرنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾

[النساء: ٥٩]

''پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف۔''

اور فرمایا:

﴿وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾

[المائدة: ٨]

''کسی قسم کی عداوت تمھیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے۔''

اور فرمایا:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾[المائدة:٤٨]

''آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم دیجیے۔''

مجھے اُمید ہے کہ جو کچھ لکھوں گا وہ ان شاء اللہ درست ہوگا۔ اب میں باذن الٰہی مقصد کو شروع کرتا ہوں، توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اسی سے راہِ حق کی ہدایت کا سوال کرتا ہوں۔

لغت عرب میں تصوف:

صوفیوں کے یہاں تصوف کا جو اصطلاحی معنی رائج ہے، عرب اس سے ناواقف تھے بلکہ اُنھوں نے ''تفعل'' کے وزن پر ''تصوف'' کا مادہ ہی نہیں استعمال کیا تھا۔ عرب ''صـوف'' کا لفظ بولتے تھے جو ''صَـوَف'' مادہ (صاد اور واؤ مفتوح) سے مشتق ہے۔ یہ لفظ بھیڑ یا دُنبے کے بال کے لیے بولا جاتا ہے جیسے لفظ ''شعر'' کا اطلاق بکرے یا بکری کے بال پر ہوتا ہے۔ لفظ ''صوف'' کی جمع ''اَفـعال'' کے وزن پر ''اَصواف'' آتی ہے۔ اور مفرد اسم کو جمع کے معنی میں لیتے ہوئے کبھی لفظ ''صوف'' کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے۔ اور صاد کے فتحہ اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ ''صَـوِفٌ'' زیادہ اون والے مینڈھے کو بولتے ہیں، کہا جاتا ہے: ''صَوِفٌ'' ''بہت اون والا'' اسی معنی میں ''صائف'' ''صافٍ

"اور "صوفاني "بھی آتا ہےاوراس سے مؤنث کا صیغہ "صافة"اور" صوفانة" آتی ہے۔

الصوفة: ہروہ شخص جوخانہ کعبہ سے متعلق کسی کام کا ذمہ دار ہو۔

"وصاف عنی شره يصوف صوفا."

''اس کا شر مجھ سے دور ہو گیا۔''

"وصاف السهم عن الهدف يصوف ويصف."

''تیر نشانے سے خطا کر گیا۔''

"ومنه صاف عنى شر فلان و أصافه الله عن شره."

(لسان العرب: ۲۸/ ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، كتاب الأفعال: ۲/ ۲۵۸، ۲۵۹)

''یعنی فلاں کے شر سے مجھے چھٹکارامل گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے شر سے بچالیا۔''

مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مروجہ لفظ تصوف نہ تو اپنے لفظی وزن اور نہ ہی اپنے اصطلاحی معنی کی جہت سے عربی ہے۔

تصوف کتاب وسنت میں:

کتاب وسنت کلمۂ تصوف سے خاموش ہیں، البتہ کلمہ ''صوف'' ان دونوں میں آیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مِنۡ اَصۡوَافِهَا وَ اَوۡبَارِهَا وَ اَشۡعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍo﴾[النحل: ۸۰]

''اوران کی اون اور روؤں اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لیے فائدے کی چیزیں بنائیں۔''

تلاش بسیار کے بعد بھی مجھے حدیث میں ''صوف'' کا لفظ نہ مل سکا، واللہ اعلم۔

تصوف سلف کے نزدیک:

ہماری تحقیق کے مطابق سلف صالحین کے کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو مدح و ذم کسی بھی پہلو سے کلمۂ تصوف کے استعمال پر دلالت کرتی ہو، اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ لفظ ان کے ہاں معروف نہیں تھا۔ اور ہمارے اپنے علم کی حد تک کسی عالم نے یہ وضاحت بھی نہیں کی کہ یہ لفظ مدح وذم کے طور پر ان کے درمیان معروف تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عربی زبان، کتاب وسنت، استعمالِ سلف اور تینوں میں سے کسی ایک جہت سے بھی اس کی کوئی سند نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ یہ لفظ جدید ہے، اس لیے اس پر مطلق مدح وذم کا حکم نہ لگایا جائے گا اور اگر چہ ہمارا یہ خیال تھا کہ اس کا استعمال مدح و ذم دونوں جہت میں ایک شرعی بدعت ہے، لیکن اصطلاحی حیثیت اختیار کر لینے کے بعد اس لفظ کے استعمال کرنے والے شخص سے اس کے مفہوم کے متعلق تفصیل جاننا ضروری ہے تاکہ شرعی دلائل کی روشنی میں اس کے مطلوب ومقصود پر حکم لگایا جا سکے، پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس متعین لفظ کی دلالت کا کیا مفہوم بنتا ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ اس لیے کہ علی الاطلاق متأخرین کے تمام اصطلاحی الفاظ کے ساتھ یہی طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ (درء تعارض العقل والنقل: ۱/ ۲۲۹-۲۴۰، مجموع الفتاوی: ۱۱/ ۲۸)

تصوف کی اصطلاحی تعریف:

المعجم الوسیط میں ہے:

''سیرت و کردار سے متعلق ایک ایسا طریقہ ہے جس کی بنیاد درویشانہ اور فقیرانہ زندگی گزارنا، بُرے کاموں سے کنارہ کش رہنا اور اچھے کاموں کو اپنانا ہے تاکہ نفس کا تزکیہ اور روح کو بلندی حاصل ہو۔ اس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ فناء فی اللہ ہے۔'' (المعجم الوسيط: ۱/ ۵۳۱)

جرجانی کی ''التعریفات'' میں ہے:

''ظاہراً شرعی آداب پر واقفیت حاصل کرنا تاکہ اس کے ظاہری حکم کو باطن میں خیال کیا جائے اور باطناً بھی اسی پر واقفیت حاصل کرنا تاکہ اس کا باطنی حکم ظاہر میں سمجھا جا سکے۔ اس طرح دونوں حکموں کا التزام کرنے والوں کو کمال حاصل ہوجاتا ہے۔''

پھر کہتے ہیں:

''تصوف پورے کا پورا جدیت اور واقفیت پر مبنی ہے اس میں

کسی طرح کی غیر واقعی باتوں کی آمیزش نہ کرو۔اور کہا گیا کہ تصوف طبع کی قربت اور مخلوق کی موافقت سے دل کا خالی کرنا اور فضول باتوں سے خاموشی اختیار کرنا ہے، نیز انسانی صفات اختیار کرنا ، نفسانی خواہشات سے بچنا ، روحانی صفات کے مراتب کا حصول، علوم حقیقت سے تعلق رکھنا ، دائمی طور پر افضل چیز کا استعمال کرنا، پوری اُمت مسلمہ کی خیر خواہی ، اللہ تعالیٰ سے حقیقی وفا کرنا اور شرعی اُمور میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا۔''

ایک قول یہ ہے: اختیار کا چھوڑ دینا، پوری کوشش صرف کرنا اور معبود یعنی اللہ تعالیٰ سے انس ومحبت کرنا ،نفس کی مراعات کے ساتھ حواس کی حفاظت کرنا ،اعتراض سے بچنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملے کو صاف ستھرا رکھنا، اس کی اصل دنیا سے کنارہ کش ہونا ہے ، امر و نہی کے نتیجے میں آنے والے مصائب پر صبر کرنا ، تکلف کو برطرف کرنا اور حقائق لینا ، دقائق بولنا اور خلائق کی چیزوں سے نا اُمید ہونا ہے۔''

(التعريفات للجرجاني ، ص: ۵۹ ، ۶۰ ، دارالكتب العلمية)

بہرکیف غیر قیاسی طور پر تصوف کی طرف منسوب ہر شخص کو صوفی کا نام دیا گیا۔(المعجم الفلسفی ، ص: ٦٠ المجمع اللغة العربية)

المعجم الوسیط میں ہے: ''تَصوَّف.''یعنی فلاں شخص صوفی ہوگیا۔

(المعجم الوسيط: ۱/ ۵۳۱)

علم تصوف کی تعریف:

المعجم الوسیط میں منقول ہے:

''علم تصوف ان اُصول و مبادی کے مجموعے اور ان آداب کا نام ہے جن کا صوفی اعتقاد رکھتے اور جلوت وخلوت میں التزام کرتے ہیں۔''(المعجم الوسیط :۱/۵۳۱)

بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق صوفی وہ ہے جو ہر قسم کی گندگی سے پاک وصاف ہو،فکر سے بھرا ہوا اور سونا پتھر اس کے نزدیک برابر ہو۔

بعض صوفیوں نے لفظ صوفی کو صدیق سے تعبیر کیا ہے۔

(الصوفیۃ والفقراء لابن تیمیہ ص:۲۲)

اس معنی میں بہ ظاہر اپنے نفس کا تزکیہ کرنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَا تُزَكُّوٓا اَنفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰىo﴾

[النجم: ۳۲]

''تم اپنی پاکیزگی آپ نہ بیان کرو، وہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾[النساء:۴۹]

''کیا آپ نے نہیں دیکھا جو اپنی ستائش خود کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے۔''

تصوف اور صوفیہ کی وجہ تسمیہ:

جب یہ لفظ سلف صالحین کے درمیان معروف نہیں ٹھہرا اور بالخصوص فضیلت والی ان تین صدیوں؛ عصر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں اس کا وجود نہ تھا، اس لیے لوگوں کے مابین اس اسم کے مصدر اور اس کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہوا۔اس سلسلے میں چند اقوال ملاحظہ ہوں۔(الصوفیۃ والفقراء لابن تیمیہ،ص:۱۲،۱۱)

① ...... یہ اہل صفہ کی جانب نسبت ہے۔لیکن اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس کی نسبت ''صُفِّيٌّ''ہوتی (صاد کے ضمہ، فاء مشدّ د مسکور، اس کے بعد یائے نسبت)

② ...... بارگاہ رب العزت میں لگنے والی اگلی صف کی جانب نسبت ہے۔لیکن یہ بات اس وجہ سے درست نہیں معلوم ہوتی کہ اگر لفظ ''صف'' کی جانب اس کی نسبت ہوتی تو صاد مفتوح، فاء مشدّد مسکور اور یائے نسبت کے ساتھ یہ لفظ ''صَفِّيٌّ''ہونا چاہیے تھا۔

③ ...... یہ ''صَفْوَة'' کی طرف منسوب ہے جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے۔ یہ وجہ بھی فاسد ہے کیوں کہ ایسی صورت میں لغوی اعتبار سے اس کی جانب نسبت '' صَفْوِي'' ہونا چاہیے۔

④ ......صوفہ بن بشر بن اُد بن طابخہ کی جانب منسوب ہے جو

زمانۂ قدیم سے مکہ میں رہنے والا عربوں کا ایک قبیلہ تھا، اسی قبیلے کی جانب عُبّاد کو منسوب کیا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات اگرچہ لفظی اعتبار سے نسبت کے موافق ہے، پھر بھی ضعیف ہے، اس لیے کہ اکثر زاہدوں کے نزدیک یہ لوگ معروف نہیں ہیں اور اگر زُہّاد وعُبّاد اُن لوگوں کی طرف منسوب ہوتے تو یہ نسبت صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں بہ درجہ اولیٰ ہوتی۔ نیز اکثر وہ لوگ جن پر لفظ صوفی کا اطلاق کیا گیا وہ اس قبیلے کو جانتے ہی نہیں۔ اور نہ ہی اُنھوں نے اس پسندیدگی کا اظہار کیا کہ ان کی نسبت جاہلیت کے ایسے قبیلے کی طرف ہو جس کا اسلام میں کوئی وجود نہ ہو۔ حاصل کلام یہ کہ یہ قول پانچ وجوہات سے مردود قرار پاتا ہے:

۱: قبیلہ مذکور کا زُہّاد کے درمیان غیر معروف ہونا۔
۲: اگر یہ نسبت مشہور ہوتی تو صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں بعد کے زمانے سے زیادہ مشہور ہوتی۔
۳: جن لوگوں نے اس نام کو اختیار کیا وہ خود اس قبیلے کو نہیں جانتے تھے۔
۴: بالفرض اگر وہ اس قبیلے کو جانتے بھی تھے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوں گے کہ کسی ایسے جاہلی نام کی نسبت اختیار کریں جس کا وجود اسلام میں نہ ہو۔
۵: اگر وہ اس جاہلی نام پر نام رکھے جانے سے راضی بھی ہو جائیں تو نہ ان کے لیے یہ نام تسلیم کیا جائے گا اور نہ ان سے یہ بات قبول کی جائے گی کیوں کہ یہ غیر اسلامی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۝﴾[آل عمران:۱۹]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے نام رکھنا جن کا ثبوت اسلام میں نہ ہو، جائز نہیں۔

⑤...... یہ ''صِـــفَة'' (صاد مکسور، فاء مفتوح) کی طرف نسبت ہے، اس کا مصدری معنی عمدہ اور اچھی صفات سے متصف ہونا ہے۔ یہ قول فاسد ہے کیوں کہ اس صورت میں لغوی نسبت ''وَصْـفِـيٌّ'' (واوٴ مفتوح، فاء مکسور، یائے نسبت) ہونی چاہیے تھی۔

۶: نصرانی انشا پرداز جرجی زیدان کے خیال میں یہ صوفی کا کلمہ دراصل یونانی کلمہ ''سوفیا'' ہے جو حکمت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ مستشرق نولڈکہ (Nöldeke) اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے:

''''سیـجـمـا'' ایک یونانی حرف ہے، جس کی تعریب بعد کے ادوار میں صاد کے بجائے عربی کے حرف سین ہی سے ہوتی تھی، جیسا کہ جرجی زیدان نے خود کیا ہے جو اس معاملے میں اس کی عدم واقفیت پر دلیل ہے۔ اور اس کی بات کی تردید اس سے بھی ہوتی کہ یونانی لفظ ''فیلسوفیا'' کی عربی ''فلسفہ'' آتی ہے نہ کہ ''فلصفہ''۔ اس لیے جرجی زیدان کی بات اگر درست ہوتی تو مشہور و معروف ہوتی لیکن ایسا کچھ نہیں۔''

۷: یہ ''لبس الصوف'' (اونی کپڑے زیب تن کرنا) سے مشتق ہے۔ اس کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے، اسی طرح یہ لغوی اشتقاق کی جہت سے لفظ کے موافق بھی ہے اور اس کی جانب نسبت بھی درست ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابو الشیخ اصفہانی نے اپنی سند سے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ ان تک یہ بات پہنچی ہے کہ کچھ لوگ اونی لباس کو فضیلت دیتے ہیں، پھر اُنھوں نے کہا:

''کچھ لوگ اون کو بہتر سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ مسیح ابن مریم سے مشابہت اختیار کرنے والے ہیں حالانکہ اپنے نبی کی سنت ہمیں زیادہ محبوب ہونی چاہیے، ہمارے نبی ﷺ سوت وغیرہ کے کپڑے پہنتے تھے۔ راوی کہتے ہیں: محمد بن سیرین نے کچھ اسی طرح کی باتیں فرمائیں۔''

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ صوفی کی نسبت صوف کی طرف اگرچہ لغوی اعتبار سے درست ہے لیکن ایسا ہونا سنت کی مخالفت سے مانع نہیں کیوں کہ نبی ﷺ اون پہننے کا التزام نہ کرتے تھے اور ہمارے

لیے نبی ﷺ کی اتباع ہی باعث تقرب الی اللہ ہے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کیوں کہ آپ ﷺ کی سنت و ہدایت ہی کامل و مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۝﴾[الفتح : ۲۸]

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کرے۔''

تصوف کی نشو ونما اور اس کی تاریخ:

۱: اصطلاحی لفظ تصوف پہلے پہل تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں استعمال کیا گیا، متعدد ائمہ و شیوخ، مثلاً: امام احمد بن حنبل، ابوسلیمان الدارانی، سفیان ثوری اور حسن بصری وغیرہم رحمہم اللہ نے اس لفظ کو اپنے کلام میں استعمال کیا۔(الصوفية والفقراء لا بن تيمية، ص:۱۲، ۱۳، مختصر الفتاوى المصرية، ص:۵٦۸)

۲: تصوف بہ حیثیت طریقت سب سے پہلے بصرہ میں ظاہر ہوا۔

۳: عبدالواحد بن زید، جو حسن بصری کے شاگردوں میں سے ہیں، سب سے پہلے ان کے بعض شاگردوں نے صوفیوں کے لیے خانقاہ بنائی۔ اہل بصرہ کے یہاں زہد، ورع اور خشیت میں ایسی مبالغہ آمیزی پائی جاتی تھی جس کی نظیر اکثر بلاد اسلامیہ میں نہیں تھی، اس لیے لوگوں کے لیے کوفی فقاہت اور بصری عبادت ضرب المثل بن گئی تھی۔(نفس مصدر)

۴: انھی بصریوں کے یہاں مبالغے کی یہ نوعیت ظاہر ہوئی کہ سماعِ قرآن کے وقت ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی حتی کہ موت بھی آجاتی تھی حالانکہ اس طرح کی باتیں دوسروں کے یہاں نہیں ملتیں، چنانچہ قاضیِ بصرہ زرار بن اَد کے بارے میں آتا ہے کہ فجر کی نماز میں اُنھوں نے ﴿فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ﴾ کی تلاوت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ موت آگئی اور گر پڑے۔ ابو جہیر اعمی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ صالح المری نے ان پر قرآن پڑھا تو وہ مر گئے۔

اس طرح کی باتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں موجود نہیں تھیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اسماء بنت ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے محمد بن سیرین رحمہ اللہ وغیرہم نے جب ان کے اس طرح کے احوال کا مشاہدہ کیا تو ان پر سخت نکیر کی۔ یہ نکیر دو وجہ سے کی گئی:

① ......ان کے خیال میں یہ سب تکلف اور تصنع تھا۔ محمد بن سیرین کے بارے میں ایک روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے:

''ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کن بات یہ ہے کہ سماعِ قرآن کے وقت بے ہوش ہو جانے والوں میں سے کسی ایک شخص کو دیوار پر کھڑا کر کے قرآن کی تلاوت کی جائے اور وہ وہاں سے گر کر مر جائے تو سچا ہے۔''

② ......یہ دین کے اندر ایسی بدعت ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان غیر معروف تھی اور یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کا طریقہ نہ تھا بلکہ سماعِ قرآن کے وقت آپ تمام حضرات کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ روتے، خشوع و خضوع اختیار کرتے اور دل جمعی کے ساتھ غور سے سنتے۔(الصوفیۃ والفقراء لابن تیمیہ، ص:۱۳،۱۴، مختصر الفتاوی المصریۃ، ص:۵٦۸،۵٦۹)

جمہور اہل علم اس شخص کو معذور کہتے ہیں جس پر سماع کی کیفیت اس طرح غالب آجائے کہ وہ اس کو دور نہ کر سکے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کیوں کہ جب ان سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو اُنھوں نے کہا: یحییٰ بن سعید پر قرآن کی تلاوت سے غشی طاری ہو گئی تھی، میرے نزدیک بہتر تھا کہ وہ اس کو اپنے آپ سے دور کرتے۔ اگر وہ اس پر قادر ہوتے تو ضرور ایسا کرتے۔ میں نے ان سے زیادہ صاحبِ عقل کسی کو نہیں دیکھا۔ اسی طرح کی باتیں امام شافعی اور فضیل بن عیاض سے بھی منقول ہیں۔

مگر رونے، غور سے سننے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سی کیفیت پیدا کر کے خشوع و خضوع اختیار کرنے میں افضلیت ہے، نیز غشی وغیرہ کو ایمانیات کا نام مطلقاً نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسی طرح کے احوال کبھی بعض

کفار وفساق پر بھی طاری ہو جاتے ہیں کیوں کہ قلبِ نازک پر کسی چیز کے سخت دباؤ پڑنے سے بھی ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو خوشی، غمی یا عشق وخوف کی وجہ سے موت آجاتی ہے۔

اس سلسلے میں فیصلے کی بات یہ ہے کہ یہ امر مباح ہے جب تک کہ اس کا سبب مباح اور اس میں کوئی افراط وتفریط نہ ہو۔ایسی حالت میں اس پر طاری ہونے والی کیفیت میں اس کا گناہ نہیں ہے بلکہ یہ کیفیت ضعیف القلبی یا دل پر اثر انداز ہونے والی چیزوں کی قوت سے ہوتی ہے۔اس لیے صاحبِ حال کو ملامت نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس طرح کی کیفیات کے طاری ہونے میں تمام لوگ یکساں ہیں۔جیسا کہ یہ بات پہلے ہی بیان کی جاچکی ہے۔(نفس مصدر)

۵: ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے، چنانچہ جب اسلامی معاشرہ دنیاوی لذتوں اور خواہشاتِ نفس کی پیروی میں بہت زیادہ پھنس گیا تو ردِ عمل کے طور پر تصوف وجود میں آیا، یہ تصوف کے ظہور کا ظاہری سبب ہے، واللہ اعلم۔ مذکورہ توجیہ سے تصوف کے باطنیہ، قرامطہ اور مجوسی وغیرہ اسلام دشمن فرقوں سے اخذ کی نفی نہیں ہوتی بلکہ تصوف نے انھی خارجی اسباب کی وجہ سے اپنی موجودہ شکل جو مختلف اشاروں اور طریقوں پر قائم ہے، اختیار کی ہے اور ان خارجی اسباب کا مقصد ہی اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہے۔ یہ چیز بعد میں چل کر اس وقت کھل کر سامنے آئی جب استعمار نے پورے بلادِ اسلامیہ میں صوفی طریقوں کو رواج دینے پر ہمت افزائی کی تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد کو ٹھنڈا کر دیا جائے اور اسلام کو عام زندگی کے گوشوں سے نکال دیا جائے یہاں تک کہ اسلام ایک سیکولرزم اور لاہوتی دین بن کر رہ جائے جس کا عملی زندگی پر کوئی کنٹرول نہ ہو اور نہ معاشرے کی کوئی رہنمائی کرسکتا ہو۔اور یہی بڑی آفت ومصیبت بات ہے۔لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیوں کہ ہمارے دین کے اندر ذاتی طور پر ایسی انقلابی طاقت موجود ہے جو زندگی کے عام وخاص قوانین کے ساتھ اس کو ہم آہنگ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَo﴾

[الصف:۹]

''تاکہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لا تزال طائفة من أمتي على الحق منصورة حتى يأتي أمر الله.))(رواه البخاري ومسلم)

''میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ ہمیش برسرِ حق اور فتح ونصرت سے ہم کنار رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے۔''

۶: تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں تصوف ایک طرح کا محض زہد اور فقیرانہ طرزِ معیشت تھا، بعد میں پیدا ہونے والے متصوفانہ اخلاق وعادات اس میں بالکل نہ تھے بلکہ اس زمانے کے لوگوں میں کسی قسم کا کوئی فاسد عقیدہ بھی نہیں تھا۔لیکن چوتھی صدی ہجری میں ''حلاج'' جیسے الحاد پسند اور زندیق لوگ صوفیوں کے بھیس میں اس میں داخل ہوگئے، یہی وہ چیزیں تھیں جن کا اولین علمائے صوفیہ؛ جنید بغدادی وغیرہ نے انکار کیا ہے۔(الصوفية معتقدا ومسلكا، ص: ٥٠-٥٢، الصوفية والفقراء لابن تيمية، ص: ٢٤)

۷: چوتھی صدی ہجری میں صوفیوں نے اپنی مخصوص حال وطرق والی شکل اختیار کرنی شروع کی، چنانچہ بلادِ اسلامیہ ایسے متنوع صوفی مدارس سے بھر گئے جو اپنے بیشتر مضامین میں اتفاق رکھتے تھے اور بعض عادات واطوار اور دعاؤں میں اختلاف کے باوجود اپنے بیشتر مفاہیم میں ہم آہنگ تھے۔(الصوفية معتقدا ومسلكا، ص: ٥٠-٥٢، الصوفية والفقراء لابن تيمية، ص: ٢٤)

(جاری ہے)



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

مجموعہ رسائل عقیدہ: (جلد اول، دوم، سوم)

صفحات: جلد اول: ۶۱۹۔ جلد دوم: ۵۷۶۔ جلد سوم: ۶۰۹

تصنیف: سید نواب محمد صدیق حسن خاں

تسہیل وتخریج: حافظ عبداللہ سلیم۔ حافظ شاہد محمود

اچھی کمپوزنگ، بہترین طباعت، عمدہ کاغذ، دیدہ زیب مضبوط جلد۔

ناشر: دار ابی الطیب، گلی نمبر ۵، گل روڈ، جمید کالونی، گوجراں والا

تبصرہ نگار: محمد اسحاق بھٹی

برصغیر پاک و ہند، جس میں اب بنگلہ دیش بھی شامل ہے، مرکز اسلام (مکہ اور مدینہ) سے ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہے لیکن اس خطۂ ارض کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں کے باشندے پہلی صدی ہجری ہی میں اسلام کی تہذیب سے آشنا ہو گئے تھے اور اُنھوں نے احکامِ اسلامی سے وابستگی شروع کر دی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ عرب اور برصغیر کے لوگوں کی زبان الگ الگ، دونوں کے رہن سہن کے طریقے جداگانہ، دونوں کی معاشرت مختلف، دونوں کے رسوم و رواج میں مغایرت لیکن جوں ہی انھیں عرب میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی بعثت کا پتا چلا، یہ بن دیکھے اور بغیر ان کی آواز سنے ان کے گرویدہ ہو گئے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونا اپنے لیے ضروری قرار دے لیا۔

پھر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اور حالات کی رفتار تیز ہوتی گئی یہ لوگ اسلام کی تعلیم حاصل کرتے گئے اور اُن کے علم و عمل میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا گیا۔ ان میں علمائے دین پیدا ہوئے، قرآن کے مفسروں کا ظہور ہوا، محدثین کی جماعت عالمِ وجود میں آئی اور مختلف علوم کے مصنفین اپنی بوقلموں تحقیقات کے جوہر دکھانے لگے۔

برصغیر کے انہی مصنفین و محققین میں سے ایک عظیم المرتبت شخصیت حضرت نواب سید محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

نواب صدیق حسن خاں دادھیال و ننھیال کی طرف سے ہندوستان کے معزز اور ذی منزلت خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ (۱۴/ اکتوبر ۱۸۳۲ء) کو اپنے ننھیالی صوبہ یوپی کے معروف شہر بانس بریلی میں پیدا ہوئے۔ اس وقت مغلوں کی حکومت اپنے طویل سفرِ حکمرانی کی آخری منزلیں طے کر رہی تھی۔ وہ پچیس سال کے جوانِ رعنا تھے کہ مئی ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ بپا ہو گیا جسے انگریزوں نے غدر اور آزادی خواہ طبقے نے جنگ آزادی قرار دیا۔ نواب صاحب نے اس دور کے تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے اور جو کچھ ہندوستان بالخصوص مسلمانوں پر بیت رہی تھی، اس کا مشاہدہ کیا۔

نواب صاحب کے والد کا اسم گرامی سید اولاد حسن تھا۔ وہ قنوج کے رہنے والے، عالم و فاضل بزرگ اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ اُنھوں نے دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی سے استفادہ کیا تھا۔ حضرت سید احمد شہید کے دستِ حق پرست پر بیعتِ جہاد کی تھی اور ان کا تعلق جماعتِ مجاہدین سے تھا۔ اُنھوں نے صرف ۴۳ سال کی عمر پائی۔ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) میں بہ مقام قنوج ان کا انتقال ہوا۔

نواب صدیق حسن خاں کی عمر اس وقت صرف چھے سال کی تھی۔ اُنھوں نے شعور کی چوکھٹ پر قدم رکھا تو تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف اساتذہ سے استفادہ کرتے ہوئے ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳ء) میں عازمِ دہلی ہوئے جسے اس عہد میں علمائے کرام کے

مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں اُنھوں نے فحول علماء سے حصولِ فیض کیا اور تفسیر وحدیث میں جن حضرات سے اجازہ وسند کا شرف حاصل ہوا، اُن میں مفتی صدر الدین آزردہ، شیخ زین العابدین بن محسن انصاری، قاضی محمد بن علی شوکانی کے شاگرد شیخ عبدالحق نیوتنی بنارسی، شیخ حسین عرب یمنی اور حضرت شاہ محمد یعقوب مہاجر مکی شامل ہیں رحمہم اللہ۔

نواب صاحب کی ذاتِ گرامی میں ذہانت، قابلیت، صالحیت اور صلاحیت کی تمام صفات اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی مقدار میں جمع فرما دی تھیں۔ حالات نے ایسی خوش گوار کروٹ لی کہ وہ بھوپال پہنچے اور پھر ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں والیہ بھوپال نواب شاہ جہاں ان کے حبالۂ عقد میں آ گئیں اور انھیں ''نواب والا جاہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خاں'' کا خطاب عطا کیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی وہ بہت سے اعزازات کے مستحق قرار پائے۔

اب چند ہی روز میں پوری ریاست بھوپال میں نہایت خوش گوار انقلاب آ گیا۔ مختلف مقامات میں مدرسے قائم کیے گئے، لائبریریوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، قرآن وحدیث کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انشا پردازی، قانون دانی اور حساب وریاضی وغیرہ کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ ہندی اور انگریزی زبانوں کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ مختلف علمی موضوعات پر تحقیق کے شعبے معرضِ وجود میں آئے۔ طلباء کو ماہانہ وظائف دینے کا فیصلہ ہوا، مدرسین کو باقاعدہ تنخواہیں ملنے لگیں۔ باشندگانِ ریاست کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا گیا، اصلاحی کمیٹیاں بنائی گئیں جن میں ہندو اور مسلمان سب شامل تھے۔ چوری، ڈاکا اور رہزنی وغیرہ تمام برائیوں کے انسداد کے لیے سرکاری طور پر اہم اقدامات کیے گئے۔ ہندو مسلم اتحاد کو لازمی ٹھہرایا گیا، اس قسم کے اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری ریاست بھوپال امن کا گہوارہ بن گئی اور غیر اسلامی ملک میں اس خطۂ زمین کو اسلامی طرزِ بود وباش کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

نواب صاحب نے علمی اعتبار سے جو بے شمار اہم ترین خدمات سرانجام دیں، ان میں ایک بے مثال خدمت یہ ہے کہ اُنھوں نے بہت بڑی رقم خرچ کر کے اسلامی ملکوں سے تفسیر ابن کثیر، صحیح بخاری کی شرح فتح الباری، امام شوکانی کی تصنیف نیل الاوطار کے قلمی نسخے حاصل کیے اور پھر ان ضخیم کتابوں کو اپنے خرچ سے طبع کرایا اور اصحابِ علم اور متعدد مدارس میں انھیں مفت تقسیم کیا گیا۔ اس سے پہلے یہ کتابیں برصغیر میں دست یاب نہ تھیں۔ نواب صاحب کی مسلسل مساعی اور زرِ خطیر کے صَرف سے ان عظیم الشان کتابوں سے اس خطۂ ارض کے اہلِ علم شناسا ہوئے اور ان کی عام اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔

نواب صاحب وسعتِ مطالعہ اور طریق اظہار مدعا میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ جلیل القدر مصنف اور بلند پایہ محقق تھے۔ ان کا قلم نہایت تیز رفتار تھا جس نے اپنے دور کی ہر وادیِ علم کی سیاحت کی۔

نواب صاحب کے عہد کے علمی حلقوں میں تین زبانیں مروّج تھیں: عربی، فارسی، اردو۔ اُنھوں نے ان تینوں زبانوں کو ذریعۂ اظہار بنایا اور ایک اندازے کے مطابق چھوٹی بڑی دو سو تیس کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے سو سے زیادہ کتابیں بڑی ضخیم ہیں اور کئی کئی جلدوں پر مشتمل۔

صرف قرآن سے متعلق نواب صاحب نے سات کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے تفسیر ''فتح البیان فی مقاصد القرآن'' عربی زبان میں ہے اور دس جلدوں پر محیط، چار ہزار سے زائد صفحات میں پھیلی ہوئی۔

اُردو زبان میں تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' ہے جو پندرہ جلدوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور کم وبیش پانچ ہزار صفحات پر محتوی۔ یہ تفسیر حکیم عبدالمجید صاحب وزیر آبادی مرحوم ومغفور کے فرزندانِ گرامی ڈاکٹر محمد یوسف فاروق اور حکیم عتیق الرحمٰن صاحبان شائع کر رہے ہیں۔ اشاعت کی ذمہ داری مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور پر عائد کی گئی ہے۔ اللہ کرے جلد شائع ہو۔

قرآن کے بارے میں نواب صاحب کی ایک کتاب کا نام ''اکسیر فی اُصول التفسیر'' ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ قرآن مجید کے موضوع

پر نواب صاحب کی سات کتابیں بڑی تقطیع کے دس ہزار صفحات پر محیط ہیں۔

بہر کیف نواب صاحب نے قرآن، حدیث، فقہ، اُصول فقہ، اُصول حدیث، صرف ونحو، تصوف، سیرت، تاریخ، اردو، فارسی، ادبیات، عقائد، ہر موضوع پر لکھا اور اپنے زمانے کی تینوں زبانوں (عربی، فارسی، اُردو) میں لکھا اور جس موضوع پر لکھا پوری وضاحت سے لکھا۔

نواب صاحب اور ان کی بیگم نواب شاہ جہاں بیگم کا تذکرہ رام بابو سکسینہ نے اپنی انگریزی کتاب ''ہسٹری آف اُردو لٹریچر'' میں نہایت مؤدبانہ الفاظ میں کیا ہے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ تقسیم ملک سے قبل ''تاریخ ادب اُردو'' کے نام سے مرزا محمد حسن عسکری (ہیڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا) نے کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''نواب شاہ جہاں صاحبہ مرحومہ بہت اچھی شاعرہ تھیں۔ اردو میں شیریں (بعد کو تاجور) اور فارسی میں شاہ جہان تخلص کرتی تھیں۔ اُنھوں نے اپنا عقد ثانی نواب صدیق حسن خاں سے کرلیا تھا۔ نواب صاحب موصوف عربی وفارسی کے بڑے عالم وفاضل اور اپنے زمانے کے مشہور محدث اور مفسر سمجھے جاتے تھے...... شعراء اور اہل علم کے بڑے قدر دان تھے۔ اردو میں توفیق اور فارسی میں نواب تخلص کرتے تھے۔''

(ص:۴۱۴ شائع کردہ عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور)

نواب صاحب یکم رجب ۱۳۰۷ھ (۱۸ فروری ۱۸۹۰ء) کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ عیسوی حساب سے ۵۷ برس چار مہینے چار دن اور قمری حساب سے ۵۹ برس ایک مہینا نو دن عمر پائی۔

اس مصنفِ شہیر اور عالم اجل کی تصانیف کی اشاعت بہت عرصہ پیشتر ہوئی تھی، پھر اس طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا گیا۔ ان کا اور ان کی تصانیف کا تذکرہ تو بہت کیا جاتا ہے اور تصانیف کی اہمیت بھی زوردار الفاظ میں بیان کی جاتی ہے اور ان کے حوالے بھی دیے جاتے ہیں لیکن چند کتابوں کے سوا اُن کی اشاعت کا زیادہ اہتمام نہ ہوسکا۔

نواب صاحب کی وفات کے بعد ان کی تمام تصانیف (مع ان کی پوری ذاتی لائبریری کے) دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنو، ہندوستان) میں منتقل ہوگئی تھیں۔ وہاں ان کی (غالبًا) مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تمام تحریریں موجود ہیں۔ اس کے بعد پورے برصغیر میں میری معلومات کے مطابق پاکستان میں نواب صاحب کی تصانیف کا بہت بڑا ذخیرہ ''محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لائبریری'' (واقع دفتر ہفت روزہ ''الاعتصام''، شیش محل روڈ، لاہور) میں محفوظ ہے۔ تیسرے نمبر پر ہندوستان میں جامعہ سلفیہ بنارس کی لائبریری آتی ہے جس میں نواب صاحب کی تصانیف موجود ہیں۔ میرے خیال میں ندوۃ العلماء لکھنو نے تو نواب صاحب کی کوئی کتاب شائع نہیں کی۔ (خدا کرے وہاں وہ کتابیں حفاظت سے پڑی رہیں، دیمک کی خوراک نہ بن جائیں۔) البتہ جامعہ سلفیہ بنارس اور ہندوستان کے بعض اشاعتی اداروں نے ان کی چند اُردو کتابیں شائع کی ہیں جو تسہیل وتخریج کے بعد زیر نظر ''مجموعہ رسائل عقیدہ'' میں شامل کردی گئی ہیں۔

حضرت مولانا عطاءاللہ حنیف بھوجیانی نے بھی اپنے مکتبہ سلفیہ (لاہور) کی طرف سے ان کی چند کتابیں بڑے اہتمام سے شائع کیں۔ مولانا ممدوح نواب صاحب کے بے حد عقیدت مند تھے اور ان کی تصانیف کے متلاشی رہتے تھے۔

سرزمین عرب کے اسلامی ملکوں میں کویت کے قابل احترام عالم شیخ ابوخالد فلاح المطیری کا اسم گرامی اس اعتبار سے خاص طور پر لائق تذکرہ ہے کہ وہ حضرت نواب صاحب سے بہ درجہ غایت عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی علمی سرگرمیوں کے انتہائی مداح ہیں۔ اسی طرح مولانا عارف جاوید محمدی کو بھی نواب صاحب سے بے انتہا قلبی لگاؤ ہے۔ شیخ ابو خالد فلاح المطیری ایک مرتبہ مولانا عارف جاوید محمدی کے ساتھ پاکستان بھی تشریف لائے تھے اور اُنھوں نے ''محمد عطاءاللہ حنیف بھوجیانی لائبریری'' میں حضرت نواب صاحب کی تصانیف نہایت شوق اور انتہائی رغبت سے دیکھی تھیں۔ چار دن اس لائبریری میں ان کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ رات کو بھی وہ نواب

صاحب کی عربی کتابیں دیکھتے اور ان کا مطالعہ کرتے تھے۔ میری ان سے پہلی ملاقات وہیں ہوئی تھی۔

شیخ ممدوح نے دو مرتبہ ہندوستان کا سفر بھی کیا۔ اس سفر کا مقصد نواب صاحب کے مکانات وآثار اور تصانیف وتالیفات سے مطلع ہونا اور ان کے اَخلاف سے ملاقات کرنا تھا۔

ہمارے لیے یہ درجہ غایت مسرت کی بات ہے کہ نواب صاحب کی اردو تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ ان کی وفات پر ۱۲۳ برس کا عرصہ گزر چکا ہے اور یہ کتابیں اس سے بھی بہت سال پہلے کی ہیں، یعنی تقریباً ڈیڑھ صدی قبل کی تصانیف۔ اس طویل مدت میں اردو زبان بہت بدل گئی ہے۔ پیرایۂ اظہار میں بڑا تغیر آ گیا ہے۔ بے شمار الفاظ متروک ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ نئے الفاظ نے لے لی ہے۔ نواب صاحب کی زیرِ تبصرہ جو تین کتابیں عقائد سے متعلق معرض اشاعت میں آئی ہیں، ان کی زبان کی تسہیل اور ان میں مندرج احادیث کی تخریج دو اہلِ علم ساتھیوں نے نہایت محنت اور بہترین انداز میں کی ہے۔ یہ علمائے دین ہیں: حافظ عبداللہ سلیم اور حافظ شاہد محمود۔ اللہ ان کی اس اہم خدمت کو شرفِ قبول بخشے اور انھیں مزید خدمت کی توفیق سے نوازے۔

یہ تین جلدیں عقیدے کے موضوع سے متعلق حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ کے چھوٹے بڑے پندرہ رسائل وکتب کا عمدہ ترین علمی مجموعہ ہیں۔ عقیدہ کیا ہوتا ہے اور یہ کن امور سے عبارت ہے؟ اس کی تفصیل سے خوانندگانِ محترم اس مجموعہ رسائل کے مطالعے سے اچھی طرح آگاہ ہوسکیں گے۔

تسہیل وتخریج کرنے والے حافظ صاحبان نے پہلی جلد کے آغاز میں ان تمام رسائل کا مختصر مگر جامع الفاظ میں تعارف کرایا ہے اور ہر رسالے کے صفحات کی تعداد بھی بتائی ہے اور نواب صاحب نے جس تاریخ کو رسالہ مکمل کیا، وہ تاریخ بھی تحریر کر دی ہے۔ یہ خدمت محترم القام شیخ ابو خالد فلاح المطیر ی اور مولانا عارف جاوید محمدی کے زیرِ سرپرستی سرانجام دی گئی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ سرپرستی کرنے والوں کو بھی جزائے خیر سے نوازے اور یہ علمی خدمت انجام دینے والے حافظ عبداللہ سلیم اور حافظ شاہد محمود کو بھی اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

تسہیل کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ نواب صاحب جو کچھ فرمانا چاہتے ہیں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، صرف الفاظ میں موجودہ دور کے مطابق کچھ تغیر کیا گیا ہے اور طویل عبارتوں کے پیرے بنا کر رموزِ اوقاف کا التزام کیا گیا ہے۔ اس طرح ڈیڑھ سو سال قبل کی قدیم زبان بہت حد تک موجودہ طرزِ بیان کے ہم آہنگ ہو گئی ہے۔ نواب صاحب اپنے عہد کے بہت بڑے ادیب تھے لیکن اب زبان کے تیور بدل گئے ہیں اور اسلوبِ نگارش کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے۔ مصنفِ عالی قدر کے تحریر فرمودہ مطالب وافکار میں کوئی تبدیلی کیے بغیر بیان واقعہ کو سہولت کے قالب میں ڈھالنا ضروری تھا اور یہ ضرورت پوری کر دی گئی ہے۔

اس مجموعہ رسائل سے اب علماء وفضلاء اور کم تعلیم یافتہ سب برابر استفادہ کر سکتے ہیں۔

نواب صاحب شاعر بھی تھے اور مختلف شعراء کے بے شمار اشعار انھیں زبانی یاد بھی تھے جو وہ اپنی تحریروں میں برمحل لکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنی نگارشات میں اشعار لانے کا جو بے پناہ ملکہ حاصل ہے، اس میں بہت حد تک نواب صاحب کی تصانیف کے مطالعہ کا اثر بھی کارفرما ہے۔

دار ابی الطیب گوجراں والا کی باگ ڈور (جس کی طرف سے نواب صاحب کی ان کتابوں کی اشاعت ہوئی ہے اور آئندہ ان شاء اللہ مزید کتابوں کی اشاعت ہوگی) ہمارے دوست مولانا عارف جاوید محمدی کے ہاتھ میں ہے جو علم دوستی اور محبتِ علماء کے باب میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ وہ باہمت عالم ہیں اور ان کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انھیں اور شیخ ابو خالد فلاح المطیر ی کو اس کارِ خیر کی انجام دہی کی مزید توفیق سے نوازے۔ آمین



میاں بیوی ایک دوسرے کا دل کیسے جیتیں؟

تالیف: الشیخ عمرو بن عبدالمنعم سلیم

ترجمہ: ابوالقاسم حافظ محمد حماد

ضخامت: ۱۶۵

ناشر: مکتبہ اسلامیہ بالمقابل رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

میاں اور بیوی زندگی کے دو اہم جزو اور ایک پاکیزہ رشتہ ہیں۔ جس جوڑے میں محبت، چاہت اور ہم آہنگی نہ ہو وہ ہمیشہ خوش نہیں رہ سکتے اور نہ ہی ذہنی آسودگی انھیں کبھی حاصل ہو سکتی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ایک اہم موضوع کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس میں بڑی حکمت و دانائی کی باتیں مؤلف نے جمع کر دی ہیں۔ یہ کتاب فرامینِ رسول ﷺ، آیاتِ قرآنیہ اور دیگر اقوال و افعال پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کر کے خاوند اور بیوی اپنے گھر کو سکون کا گہوارا بنا سکتے ہیں۔ اور معاشرے میں رہنے کے آداب سے نہ صرف یہ کہ آگاہ ہو سکتے ہیں بلکہ اپنی اولاد اور معاشرے کے دیگر افراد کی عمدہ تربیت بھی کر سکتے ہیں۔

اکثر جوڑے آپسی تعلقات کو صحیح نہ رکھنے کے باعث خلفشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سے جہاں ان کی اس معاملے میں گھریلو تربیت کا پتا چلتا ہے وہیں ان کا ایسا رویہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے خود بھی اس معاملے کو سیدھا رکھنے کے بارے میں کچھ نہیں سیکھا۔

پیش نظر کتاب میاں بیوی کے تعلقات کو سلجھانے اور اس حوالے سے ان کی ذہنی تربیت میں فائدہ مند اور سبق آموز ثابت ہو سکتی اور اس کا مطالعہ گھر ہستی زندگی کو خوشگوار بنا سکتا ہے۔ مکتبہ اسلامیہ نے اسے اپنی روایت کے مطابق بہترین اور خوب صورت جلد انداز میں شائع کیا ہے۔ شادی شدہ اور کنوارے دونوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ سود مند رہے گا، ان شاء اللہ۔



خواتین اسلام کے نام دس نصیحتیں

تالیف: فاروق احمد

ضخامت: ۱۹۰ صفحات

ناشر: مکتبہ اسلامیہ بالمقابل رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

اسلام جیسے پر شکوہ اور عالمگیر مذہب میں جس طرح مردوں کے حقوق و معاملات بارے میں احکامات ملتے ہیں اسی طرح خواتین کے لیے بھی واضح اور قابلِ عمل تعلیمات موجود ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب اپنے موضوع اور مندرجات کے اعتبار سے بڑی سبق آموز اور مدللہے۔ صحابیِ رسول ﷺ جناب لَقِیط بن صَبِرَہ رضی اللہ عنہ سے منقول ایک حدیث دراصل اس کتاب کی بنیاد ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمائے گئے سوالات اور آپ ﷺ کے ارشاد فرمودہ جوابات کی روشنی میں آپ ﷺ کی خانگی زندگی کے بہ ظاہر مخفی مگر خوش گوار گوشے ہمارے سامنے آجاتے ہیں جنھیں جان کر بندہ حیرت انگیز خوشی میں گم ہو جاتا ہے۔ مؤلف کتاب نے حضور ﷺ کی خانگی زندگی کے واقعات کی روشنی میں موجودہ دور میں پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ کتاب کا انتساب بھی اسی صحابی کے نام کیا گیا ہے۔

کتاب کا نام اگرچہ ''خواتین اسلام کے نام دس نصیحتیں'' رکھا گیا ہے مگر یہ اپنی افادیت کے اعتبار سے سب خوانندگان بہ شمول مردوں کے پڑھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے۔

کتاب کے ناشر جناب محمد سرور عاصم صاحب نے ''عرض ناشر''

میں بجا طور پر تحریر کیا ہے:

''زیر نظر کتاب میں سیرت النبی ﷺ کے درخشاں پہلو بھی ہیں اور ایمانیات کی جھلک بھی ہے، حسنِ عبادت کا تذکرہ بھی ہے اور اخلاقیات و معاملات پر ایمان افروز مباحث بھی ہیں، غیر اسلامی رسومات کی تردید اور تعمیر سیرت و کردار کی تاکید بھی ہے۔'' (ص:۸)

اسلام سرتاپا ہمارے لیے خیر اور بھلائی کا پیغام ہے۔ اس کتاب میں اسلامی اُصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے مؤلف نے صفائی نصف ایمان، محبت وفرماں برداری، رشتے داروں کے اور پڑوسیوں کے حقوق، صبر وشکر، بچوں کی تعلیم پر توجہ، مزاج اور معمولات کا خیال وغیرہ عنوانات پر خوب مواد فراہم کیا ہے۔ کتاب دو ابواب اور بیسیوں ذیلی سرخیوں پر مشتمل اور قابلِ مطالعہ ہے۔

استدراک

الاعتصام کے گذشتہ شمارے میں ہمارے فاضل دوست مولانا محمد بشیر سیالکوٹی ﷾ کی تازہ تصنیف ''درس نظامی کی اصلاح اور ترقی'' پر تبصرہ طبع ہوا تھا جس میں سے ایک پیرا طبع ہونے سے رہ گیا تھا جس سے اس تبصرے کا مقصد پورا یا اس کا حق ادا نہیں ہوا تھا۔ ذیل میں وہ پیرا اور اس کے سیاق وسباق والے پیرے دوبارہ طبع کیے جارہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

''درس نظامی کے نصاب کو پڑھنے میں اس قدر محنت شاقہ کرنی پڑتی ہے کہ طالب علموں کی اکثریت ابتدا ہی میں تعلیم سے متنفر ہو کر بھاگ جاتی ہے۔ نصاب کی سختی کی عکاسی ایک شاعر نے فارسی میں یوں کی ہے ؎

صرف میر و صرف میر و صرف میر

شیر نر را مے کند روباہِ پیر

ان مشکلات کے پیش نظر مصنف کتاب نے نیا نصاب تجویز کیا ہے اور تعلیم کے موجودہ طریقے کی بجائے عملی طریقہ اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ ان کا یہ کہنا سو فیصد درست ہے کہ ''سننا سننے سے آتا ہے، بولنا بولنے سے آتا ہے، پڑھنا پڑھنے سے آتا ہے اور لکھنا لکھنے سے آتا ہے۔''

درس نظامی پڑھانے والے مدارس کی انتظامیہ، مہتممین اور اساتذہ سے درخواست ہے کہ طلباء میں تقریر وتحریر کی جس کمی کی ہمیشہ شکایت کی جاتی اس کو دور کرنے پر خاص توجہ فرمائیں۔

اپنی اپنی رائے ہے مولانا ﷾ کی عربی زبان سے لگن ان کے جذبے کی سچائی اور علماء وطلباء کے لیے ان کی نیک خواہشات میں کوئی شک نہیں بلکہ اس موضوع پر ان کے دل درمند کی صدا درخور اعتنا اور قابل عمل ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس عمل خیر کی ابتدا علماء، بالخصوص تدریسی ذوق اور خواہش رکھنے والے اہل علم کی اس طرح کی تربیت سے ہونی چاہیے جس طرح عصری تعلیم کے لیے بی۔ ایڈ، ایم۔ ایڈ کے اساتذہ کی تدریس علم اور تدریسی تکنیک سے کی جاتی ہے۔ اگر کوئی صاحب ادراک اور توفیق الٰہی سے بہرہ ور شخصیت یہ کام شروع کردے تو یہ علم دین کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ ہمارے خیال میں درسِ نظامی کے مدرسین حضرات کے لیے اگر یہ خشت اول شروع ہوجائے تو ابتدائی طور پر بہ فضلہ اس سے وہ شاہراہ آسان ہوجائے جس کی طرف مولانا ﷾ کا جذبۂ بے کراں متوجہ کرنا چاہتا ہے۔

''ان حالات میں یہ کتاب ان حضرات کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی جو تبدیلی لانے کا جذبہ اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں بعض عنوانات اور مضامین کی تکرار ہے۔ اگر اس تکرار کو حذف کردیا جائے تو کتاب کی ضخامت کم ہوسکتی ہے۔''

فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

۲۹۷،۸۹۳ اللہ وسایا

ا۶۵۸ق قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت، ص: ۴۵۰۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان۔

۲۹۷،۸۹۳ سید مرتضیٰ حسن چاند پوری

ح۱۴ق قادیانیوں سے ستر سوالات، ص: ۳۲۔ مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان۔

۲۹۷،۸۹۳ عبدالکریم ناقد

ن۲۳۵۴ح حقیقت مرزائیت اور تحقیق ناقد، ص: ۱۳۶۔ تحقیق بک ایجنسی، ضلع گورداسپور۔

۲۹۷،۸۹۳ قاضی محمد سلیمان منصور پوری

س۸۴غ غایۃ المرام، تائیدالاسلام، (اول) ص: ۱۶۶۔ مطبع کاشی رام، لاہور۔ (دوم)، ص: ۱۵۲۔ کریمی پریس، لاہور۔

۲۹۷،۸۹۳ مسلم۔ بی اے

م۶۲۸خ ختم رسالت، ص: ۱۴۸۔ مصطفائی بک ڈپو، لاہور۔

۲۹۷،۸۹۳ محمد یوسف لدھیانوی

ی۹۴م مرزا قادیانی بقلم خود، ص: ۴۸۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان۔

۲۹۷،۸۹۳ محمد منظور نعمانی

ن۶۷ق قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ اور مسئلہ نزول مسیح وحیات مسیح، ص: ۱۰۴۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان۔

۲۹۷،۸۹۳ نور محمد خان

ن۸۷م مُغلظات مرزا، ص: ۷۰۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان۔

۲۔ محمد یوسف لدھیانوی ۔ شناخت، ص: ۲۳۔ چرم دین گڑھ، قصور۔

۲۹۷،۸۹۳ شمس النبی

ش۸۹۶ق قادیانیت، ص: ۹۶۔ ہمدرد بک ایجنسی، سہارنپور۔

۲۹۷،۸۹۳ منظور احمد چنیوٹی

م۴۳ر ردِ قادیانیت کے زریں اُصول، ص: ۴۴۰۔ ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد، چنیوٹ۔

۲۹۷،۸۹۳ احمد رحمانی

ا۲۸۱ش شہادت آسمانی، ص: ۴۴۔ دِلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔

۲۹۷،۸۹۳ محمد عبداللہ معمار امرتسری

م۶۶۶م محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، ص: ۷۰۳، مکتبۃ السّلفیہ، لاہور۔

۲۹۷،۸۹۳ دوست محمد شاہد

ش۲۸ب بیسویں صدی کا علمی شاہکار، ص: ۲۳۔ طارق محمود پانی پتی۔ (۲ عدد)

۲۹۷،۸۹۳ سمیع الحق

س۸۹۵ق قادیان سے اسرائیل تک، ص: ۲۲۴۔ صدیقی ٹرسٹ۔

۲۹۷،۸۹۳ قومی اسمبلی

ق۴۷ق قادیانی فتنہ اور ملتِ اسلامیہ کا موقف، ص: ۲۵۵۔ مکتبہ امدادیہ۔ (۲ عدد)

۲۹۷،۸۹۳ فضل الرحمٰن

ف۶۹۴ق قادیانی ولاہوری مرزائی دائرۂ اسلام سے خارج کیوں ہیں؟ انجمن اہل حدیث مسجد مبارک، لاہور۔ (۳ عدد)

۲۹۷،۸۹۳ فضل احمد گورداسپوری

ف۶۵ک کلمہ فضل رحمانی بجواب اوہام غلام قادیانی ،ص: ۱۶۴۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد اکرم نسیم جحہ

ن۴۸ع عقائد اور تعلیمات مرزا احمد قادیانی،ص:۴۴۔ناشر:بابر مختار۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد یوسف (مجموعہ۴ رسائل)

ی۱۷م تلاش حق المعروف مرزا قادیانی اور اس کی تضاد بیانی،ص:۸۔ناشر: دواخانہ فیض الباری،فیصل آباد۔

۲۔احمد الرحمٰن رحمانی۔مرزائی کافر ہیں،ص:۶۴۔ناشر: مدرسہ عربیہ اسلامیہ،کراچی۔

۳۔جسٹس آفتاب حسین۔قادیانی مسجد،ص:۲۸۔ناشر: سید ریاض الحسن گیلانی۔

۴۔ماہوار اِشاعت ''المنبر''،ص:۶۶۔

۲۹۷ء۸۹۳ مختار حسن

م۵۹۲ف سنڈیمن میں کیا ہوا؟ ،ص: ۱۹۔ اِدارہ ضیاء الحدیث ، مصطفیٰ آباد۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد مدنی ایم،اے

م۲۸۱چ چیلنج مباہلہ کا مدلل جواب ،ص: ۲۴۔ جمعیت شبان اہل حدیث۔

۲۹۷ء۸۹۳ مجاہد الحسینی

م۲۰۱ا اسلامی اصطلاحات اور قادیانی ،ص: ۳۲ ۔ ادارہ صوت الاسلام۔

۲۹۷ء۸۹۳ نعیم صدیقی

ن۰۷ت تبصرہ،ص:۲۰۸۔مرکزی مکتبہ جماعت اِسلامی اِچھرہ لاہور۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد مسلم

م۶۲۸م مرزا غلام احمد قادیانی اور اُن کی اُمت کی حقیقت اُن کی تحریروں سے،ص:۲۳۴۔ٹھٹائی کمپونڈ، بندروڈ، لاہور۔

۲۹۷ء۸۹۳ مظہر الدین ملتانی

م۶۵۵ت تاریخ محمودیتِ ،ص: ۲۰۵ ۔ دفتر انصار احمدیہ، سنت نگر، لاہور۔



دارالدعوۃ السّلفیہ کے زیر اہتمام پہلا ماہانہ درس قرآن وحدیث

جیسا کہ قارئین ''الاعتصام'' جنوری ۲۰۱۴ء کے پہلے شمارے میں ادارتی صفحات پر دارالدعوۃ السّلفیہ کے زیر اہتمام ماہانہ درسِ قرآن وحدیث کے متعلق پڑھ چکے ہیں کہ یہ ہر انگریزی ماہ کی پہلی بدھ کو ہوا کرے گا، چنانچہ مجلس عاملہ دارالدعوۃ السّلفیہ شیش محل روڈ لاہور کے فیصلے کے تحت پہلا ماہانہ درسِ قرآن وحدیث یکم جنوری بروز بدھ بعد نماز عصر حضرت مولانا ابوبکر صدیق السّلفی ﷾ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس درس میں مولانا محمد اسحاق بھٹی ﷾ بھی خصوصی طور پر شریک ہوئے۔

لاہور شہر کے معروف خطیب مولانا قاری عبدالمتین اصغر ﷾ نے ''نبی کریم ﷺ سے محبت اور اس کے تقاضے'' کے عنوان پر درس ارشاد فرمایا۔ موصوف نے اطاعت وفرماں برداریِ رسول ﷺ پر گفتگو فرماتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی ہر بات اور ہر طریقے کو اپنایا جائے۔ اُنھوں نے دورانِ درس خوب صورت آواز میں قرآن کی آیات کی تلاوت فرمائی جس سے جذبہ ایمانی تازہ ہو گیا۔ یہ درسِ قرآن وحدیث نماز مغرب سے کچھ پہلے تک جاری رہا اور اہل محلّہ اور نمازیوں نے ذوق وشوق سے سماعت فرمایا۔ بعد ازاں کشمیری چائے سے حاضرین کی تواضع کی گئی۔ دوسرا ماہانہ درس فروری ۲۰۱۴ء کے پہلے بدھ کو ہوگا۔ ان شاء اللہ (ادارہ)